



نام کتاب : تیسیر الکرم الرحمن فی تفسیر الکلام المنان المعروف بتفسیر سعدی

(پارہ ۱۶)

مؤلف : فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق : عبدالرحمن بن معلّٰی اللویحی حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن : حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمہ تفسیر : پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

ناشر : دار السلام

## پاړه نمبر سوله 16

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پاړه
۱۸	سورة الكهف (جاری)	1539	۱۵ - ۱۶
۱۹	سورة مريم	1560	۱۶
۲۰	سورة طه	1600	۱۶

**قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۵۹ قَالَ اِنْ سَأَلْتَكَ**

خضر نے کہا، کیا نہیں کہا تھا میں نے تجھ سے کہ بلاشبہ تو ہرگز نہیں کر سکے گا میرے ساتھ صبر ○ موی نے کہا، اگر سوال کروں میں تجھ سے  
عَنْ شَيْءٍ مَّ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝۶۰ فَأَنْطَلَقَا ۝۶۱ وَفَقَّ

کسی چیز کی بابت اس کے بعد تو نہ ساتھ رکھنا مجھے، تحقیق پہنچ گیا تو میری طرف سے عذر کو ○ پھر چلے وہ دونوں،  
حَتَّىٰ إِذَا آتَىٰ أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَبَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّقُوهُمَا

یہاں تک کہ جب آئے وہ دونوں ایک ہستی والوں کہ پاس تو انہوں نے کھانا لگا اس ہستی والوں سے، پس انہوں نے انکار کر دیا ان دونوں کی مہمان نوازی سے

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُصَ فَأَقَامَهُ ط قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَخَذْتَ

پھر پائی ان دونوں نے اس میں ایک دیوار، وہ چاہتی (قریب) تھی کہ گر جائے تو اس (خضر) نے سیدھا کر دیا اے موی نے کہا، اگر چاہتا تو ابستہ لیتا

عَلَيْهِ أَجْرًا ۝۶۲ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْطِيعْ

اس پر اجرت ○ خضر نے کہا، یہ جدائی ہے میرے درمیان اور تیرے درمیان، اب بتاؤں گا میں تجھے حقیقت ان باتوں کی، کہ نہیں استطاعت رکھی تو نے

عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۶۳ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ

ان پر صبر کرنے کی ○ لیکن کشتی، سو تھی وہ (چند) مسکینوں کی، وہ کام کرتے تھے سمندر میں، پس چاہا میں نے یہ کہ

أَعْيِبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝۶۴ وَأَمَّا الْغُلَامُ

عیب دار کروں میں اسے، جب کہ تھا ان کے آگے ایک بادشاہ لے لیتا تھا وہ ہر کشتی کو زبردستی ○ اور لیکن (وہ) لڑکا،

فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۶۵ فَأَرَدْنَا أَنْ

تو تھے ماں باپ اسکے مومن، پس ڈرے ہم اس سے کہ وہ آمادہ کر دے گا ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں ○ پس چاہا ہم نے یہ کہ

يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْبًا ۝۶۶ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ

بدلے میں دے ان دونوں کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور قریب تر شفقت میں ○ اور لیکن (وہ) دیوار، سو تھی وہ

لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا

واسطے (ان) دو لڑکوں کے کہ یتیم تھے وہ (اس) شہر میں، اور تھا نیچے اسکے خزانہ ان دونوں کے لیے، اور تھا باپ ان دونوں کا صالح،

فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۝۶۷ وَ

تو چاہا تیرے رب نے یہ کہ پہنچیں وہ دونوں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا خزانہ مہربانی سے تیرے رب کی، اور

مَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۝۶۸ ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِيعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ط

نہیں کیا میں نے یہ کام اپنی رائے سے، یہ ہے حقیقت ان باتوں کی کہ نہیں استطاعت رکھی تو نے ان پر صبر کرنے کی ○

پہلی مرتبہ حضرت موی علیہ السلام کا اعتراض ان کے نسیان کا نتیجہ تھا۔ دوسری مرتبہ اعتراض نسیان کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کا سبب عدم صبر تھا اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے غتاب کرتے ہوئے اور ان کو یاد دلانے ہوئے کہا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ



لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ”کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے“  
 موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ بَعْدِهَا﴾ ”اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کسی چیز کی بابت پوچھا“  
 یعنی اس مرتبہ کے بعد ﴿فَلَا تُصَحِّبْنِي﴾ ”تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں“ یعنی آپ مجھے مصاحبت میں نہ رکھنے پر  
 معذور ہیں۔ ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا﴾ ”آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے“ یعنی آپ میری طرف سے  
 معذور ہیں اور آپ نے کوتاہی نہیں کی۔ ﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا اَهْلُهَا﴾ ”پس وہ دونوں  
 چلے یہاں تک کہ جب آئے وہ ایک بستی کے لوگوں تک تو کھانا مانگا بستی کے لوگوں سے“ یعنی بستی والوں سے  
 مہمان کے طور پر ٹھہرانے کی استدعا کی۔ ﴿فَاَبَوْا اَنْ يُصَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُرِيدُ اَنْ يَنْقَضَ﴾ ”پس  
 انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے ایک دیوار کو دیکھا جو گرا چاہتی تھی“ یعنی وہ منہدم  
 ہوا چاہتی تھی: ﴿فَاَقَامُوْهُ﴾ ”پس اس کو سیدھا کر دیا“ یعنی خضر علیہ السلام نے اسے تعمیر کر کے دوبارہ نیا بنا دیا۔ جناب  
 موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ ”اگر آپ چاہتے تو اس بستی والوں سے اس کام  
 کی اجرت لے سکتے تھے“ بستی والوں نے ہمیں مہمان نہیں ٹھہرایا تھا اور آپ ہیں کہ بغیر کسی اجرت کے ان کی  
 دیوار تعمیر کر رہے ہیں حالانکہ آپ ان سے اجرت طلب کر سکتے ہیں۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام وہ شرط پوری نہ کر سکے  
 جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ اس پر حضرت خضر نے ان کی رفاقت سے معذرت کر لی اور ان سے کہا: ﴿هٰذَا  
 فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ﴾ ”اب جدائی ہے میرے اور آپ کے درمیان“ کیونکہ جو شرائط آپ نے خود اپنے آپ پر عائد  
 کی تھیں (ان کو آپ پورا نہ کر سکے) اب کوئی عذر باقی نہیں رہا اور نہ مصاحبت کی کوئی وجہ۔ ﴿سَاَنْتَبِتُكَ بِتَاوِيلٍ  
 مَا لَمْ تَسْتَطِيعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ ”اب میں آپ کو بتاؤں گا ان چیزوں کی حقیقت جن پر آپ صبر نہ کر سکے“ یعنی میں  
 ان امور کے بارے میں آپ کو بتاؤں گا جن کے بارے میں آپ نے مجھ پر نکیر کی اور آپ کو بتاؤں گا کہ ان تمام  
 کاموں کے پیچھے کچھ مقاصد تھے جن پر معاملہ مبنی تھا۔

﴿اَمَّا السَّفِينَةُ﴾ یعنی وہ کشتی جس میں میں نے سوراخ کر دیا تھا ﴿فَكَانَتْ لِمَسْكِيْنٍ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾  
 ”وہ مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے“ ان پر ترس اور ان کے ساتھ مہربانی اس فعل کی مقتضی تھی۔ ﴿فَاَرَدْتُ  
 اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مِّلْكٌ يَّاخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ ”تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور ان  
 کے ورے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو لے لیتا تھا چھین کر“ یعنی ان کا راستہ اس ظالم بادشاہ کے پاس سے گزرتا تھا  
 لہذا اگر کشتی صحیح سالم ہوتی اور اس میں کوئی عیب نہ ہوتا تو ظلم کی بنا پر اسے پکڑ لیتا اور غصب کر لیتا۔ میں نے اس کشتی  
 میں اس لئے سوراخ کر دیا تھا تاکہ یہ کشتی عیب دار ہو جائے اور اس ظالم کی دست برد سے بچ جائے۔

﴿وَاَمَّا الْغُلَامُ﴾ ”رہا وہ لڑکا“ یعنی وہ لڑکا جس کو میں نے قتل کیا تھا: ﴿فَكَانَ اَبُوْهُ مُؤْمِنًا فَخَشِيْنَا



اَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿۱۷﴾ پس اس کے ماں باپ مومن تھے پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ وہ ان کو مجبور کر دے گا سرکشی اور کفر اختیار کرنے پر۔ یعنی اس لڑکے کے بارے میں یہ مقدر تھا کہ اگر وہ بالغ ہو جاتا تو اپنے والدین کو کفر اور سرکشی پر مجبور کرتا۔ یا تو ان دونوں کی اس سے محبت کی بنا پر یا اس سبب سے کہ دونوں اس کے ضرورت مند ہوں گے اور ضرورت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کر دے گی، یعنی میں اس بچے کے بارے میں مطلع تھا اس لئے میں نے اس کے والدین کے دین کی حفاظت کے لئے اس کو قتل کر دیا۔ اس جلیل القدر فائدے سے بڑھ کر اور کون سا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس بچے کے قتل کرنے میں ان کے لئے تکلیف اور ان کی نسل کا انقطاع ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو اور اولاد عطا کرے گا جو اس سے بہتر ہوگی بناء بریں فرمایا: ﴿فَارَدْنَا اَنْ يُّبَدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا اِمْنَهُ زَكُوًّا وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب اس سے بہتر پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں، یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایسا بیٹا عطا کرے گا جو نیک، پاک اور صلہ رحمی کرنے والا ہوگا کیونکہ وہ بچہ جس کو قتل کر دیا گیا تھا اگر بالغ ہو جاتا تو وہ والدین کا سخت نافرمان ہوتا اور وہ ان کو کفر اور سرکشی پر مجبور کر دیتا۔

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ﴾ ”وہ دیوار“ جس کو میں نے سیدھا کر دیا تھا ﴿فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ ”تو وہ دو یتیموں کی تھی اس شہر میں اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک تھا“، یعنی ان کا حال ان پر رافت و رحمت کا تقاضا کرتا تھا کیونکہ وہ دونوں بہت چھوٹے تھے اور باپ سے محروم تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کی نیکی کی بنا پر ان دونوں کی حفاظت فرمائی۔ ﴿فَارَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشَدَّ هَمًا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ ”پس آپ کے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا مدفون خزانہ نکالیں“ یعنی اس لئے میں نے دیوار منہدم کر دی اور اس کے نیچے سے ان کا خزانہ نکال لیا اور خزانے کو دوبارہ دفن کر کے دیوار کو بغیر کسی اجرت کے دوبارہ تعمیر کر دیا۔

﴿رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ﴾ یعنی یہ جو میں نے افعال سرانجام دیئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے اس نے اپنے بندے خضر کو نوازا ہے۔ ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِي﴾ ”اور میں نے اسے اپنی طرف سے نہیں کیا“، یعنی میں نے ان میں سے کوئی کام اپنی طرف سے مجرد اپنے ارادے سے نہیں کیا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا حکم تھا۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ جو میں نے آپ کے سامنے وضاحت کی ہے ﴿تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ ”یہ حقیقت ہے ان تمام واقعات کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔“

اس تعجب خیز اور جلیل القدر قصے میں بہت سے فوائد احکام اور قواعد ذکر کئے گئے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(۱) اس قصے سے علم اور طلب علم کے لئے رحلت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نیز یہ کہ طلب علم اہم ترین معاملہ

ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب علم کے لئے طویل سفر کیا اور تکالیف برداشت کیں۔ بنی اسرائیل کو تعلیم دینے اور ان کی راہ نمائی کے لئے ان کے پاس بیٹھنا ترک کر کے علم میں اضافے کے لئے سفر اختیار کیا۔ (۲) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اہم کام سے ابتداء کی جائے۔ انسان کا علم اور اس علم میں اضافہ کرنا اس کو ترک کرنے اور علم حاصل کئے بغیر تعلیم میں مشغول رہنے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ مگر دونوں امور کا یکجا ہونا زیادہ کامل اور افضل ہے۔

(۳) سفر و حضر میں کام کاج اور راحت کے حصول کے لئے خادم رکھنا جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

(۴) اگر کوئی شخص طلب علم یا جہاد وغیرہ کے لئے سفر کرتا ہے اور مصلحت کے تقاضے کے مطابق اگر وہ اپنے مقصد اور منزل کے بارے میں بتاتا ہے تو یہ اس کو چھپانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کو ظاہر کرنے میں بہت سے فوائد ہیں، مثلاً اس سفر کی تیاری سامان مہیا کرنے، اس کام کو دیکھ بھال کر احسن طریقے سے سرانجام دینے کا اہتمام اور اس جلیل القدر عبادت کے لئے شوق کا اظہار وغیرہ۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿لَا اَبْرَحُ حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمُضِيَ حَقْبًا﴾ (الکھف: ۶۰/۱۸) ”میں اس وقت تک سفر کرتا رہوں گا جب تک کہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں ورنہ میں برسوں چلتا رہوں گا۔“ اور جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے بارے میں آگاہ فرمادیا تھا حالانکہ ایسے امور میں تو یہ کرنا آپ کی عادت مبارک تھی۔ یہ چیز مصلحت کے تابع ہے۔

(۵) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شر اور اس کے اسباب کو اس لحاظ سے شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ بہکاتا ہے اور شر کو مزین کرتا ہے اگرچہ خیر و شر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے کہا: ﴿وَمَا اَسْئِنُّهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَكَ﴾ (الکھف: ۶۳/۱۸) ”شیطان نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔“

(۶) انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے تقاضوں، مثلاً تھکاوٹ، بھوک اور پیاس وغیرہ کے بارے میں اطلاع دے جبکہ اس میں صداقت ہو اور اس میں (اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر) ناراضی کے اظہار کا کوئی پہلو نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقَيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا اَنْصَبًا﴾ (الکھف: ۶۲/۱۸) ”ہمیں اپنے اس سفر میں بہت تھکاوٹ لاحق ہوئی ہے۔“

(۷) خادم کا ذہین و فطین اور سمجھ دار ہونا پسندیدہ ہے تاکہ انسان اپنے مطلوبہ ارادوں کی بہتر طریقے سے تکمیل کر سکے۔

(۸) انسان کا اپنے خادم کو اپنے کھانے سے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا مستحب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے فرمایا: ﴿اَتِنَا غَدَاةَنَا﴾ (الکھف: ۶۲/۱۸) ”لاؤ ہمارے پاس ہمارا کھانا“ یہ



اضافت سب کی طرف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم نے اکٹھے کھانا کھایا۔

(۹) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم کرنے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کرنے والے کی جو مدد کی جاتی ہے وہ کسی اور کی نہیں کی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾ (الکھف: ۶۲/۱۸) ”اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی۔“ یہ دریاؤں کے سنگم سے متجاوز سفر کی طرف اشارہ ہے۔ دریاؤں کے سنگم سے ماقبل سفر کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تھکاوٹ کی شکایت نہیں کی حالانکہ وہ بہت طویل سفر تھا کیونکہ یہی حقیقی سفر تھا۔ (لیکن اللہ کی مدد کی وجہ سے وہ محسوس نہیں ہوا) رہا دریاؤں کے سنگم کے بعد والا سفر تو ظاہر ہے کہ وہ سفر کا کچھ حصہ یعنی دن کا ایک حصہ تھا کیونکہ جب انہوں نے چٹان پر بیٹھ کر آرام کیا تھا وہاں مچھلی غائب ہوئی تھی ظاہر ہے وہاں چٹان کے پاس ہی انہوں نے رات بسر کی پھر اگلی صبح سفر پر روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب صبح کے کھانے کا وقت ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ﴿إِنَّا غَدَاءَنَا﴾ (الکھف: ۶۲/۱۸) ”ہمارے لیے کھانا لاؤ۔“ یہاں آ کر خادم کو یاد آیا کہ اسے اس مقام پر مچھلی کے غائب ہونے کے بارے میں ذکر کرنا بھول گیا جو ان کی منزل اور مقصود سفر تھا۔ (لیکن اس تھوڑے سے سفر میں انہیں تھکاوٹ ہوگئی تھی)

(۱۰) اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ جس سے ان دونوں نے ملاقات کی تھی نبی نہیں تھا بلکہ ایک صالح بندہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عبودیت کی صفت سے موصوف کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت اور علم سے نوازا تھا مگر رسالت اور نبوت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر جناب خضر نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نبوت کا ضرور ذکر کرتا جیسا کہ دوسرے انبیاء و مرسلین کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ جہاں تک قصے کے آخر میں ان کے اس قول ﴿وَمَا فَعَلْنَاهُ عَنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ (الکھف: ۸۲/۱۸) کا تعلق ہے تو یہ ان کے نبی ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ تو الہام اور تحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ غیر انبیاء کو الہام سے نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ أَثِمًا﴾ (القصص: ۲۵) ”ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا کہ اس کو دودھ پلا۔“ اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ أَثِمًا﴾ (النحل: ۶۸/۱۶) ”آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ وہ پہاڑوں میں اپنے چھتے بنائے۔“

(۱۱) وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے اس کی دو اقسام ہیں:

(i) علم اکتسابی: جسے بندہ اپنی جدوجہد اور اجتہاد سے حاصل کرتا ہے۔



(ii) علم لدنی: اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر کرم نوازی کرتا ہے اسے یہ علم عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾ (الکھف: ٦٥/١٨) ”ہم نے انہیں اپنی طرف سے ایک خاص علم سے نوازا تھا۔“

(۱۲) ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ معلم کے ساتھ ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور متعلم کو چاہیے کہ وہ نہایت لطیف طریقے سے معلم سے مخاطب ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے اس طرح عرض کی تھی: ﴿هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکھف: ٦٦/١٨) ”کیا میں آپ کے پیچھے آ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ علم و دانش سکھائیں جو آپ کو عطا کی گئی ہے۔“ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ملاطفت اور مشاورت کے اسلوب میں بات کی گویا عرض کی کہ کیا آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں گے یا نہیں اور ساتھ ہی یہ اقرار کیا کہ وہ متعلم ہیں۔ بے ادب اور متکبر لوگوں کا رویہ اس کے برعکس ہوتا ہے جو معلم پر یہ ظاہر نہیں کرتے کہ وہ اس کے علم کے محتاج ہیں بلکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حصول علم میں وہ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں بلکہ بسا اوقات ان میں سے بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے معلم کو تعلیم دے رہے ہیں۔ ایسا شخص سخت جاہل ہے۔ معلم کے سامنے تذلل اور انکساری اور معلم کے علم کا محتاج ہونے کا اظہار متعلم کے لئے بہت فائدہ مند چیز ہے۔

(۱۳) اس قصہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایک عالم اور صاحب فضیلت شخص کو بھی علم حاصل کرتے وقت تواضع اور انکساری کا اظہار کرنا چاہیے چاہے اس کا استاذ اس سے درجے میں کمتر ہی ہو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بلاشبہ حضرت خضر علیہ السلام سے افضل تھے۔

(۱۴) اس واقعے سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ عالم فاضل شخص کسی علم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے جس میں وہ ماہر نہیں اس شخص سے علم حاصل کرے جو اس علم میں مہارت رکھتا ہے اگرچہ وہ علم و فضل میں اس سے بدرجہا کمزور ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا جو دوسروں کو عطا نہیں کیا مگر یہ خاص علم جو حضرت خضر کے پاس تھا آپ اس سے محروم تھے اس لئے اس علم کو سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بناء بریں ایک محدث و فقیہ کے لئے مناسب نہیں..... جبکہ وہ علم صرف و نحو وغیرہ میں کم مایہ ہو..... کہ وہ اس شخص سے یہ علم سیکھنے کی کوشش نہ کرے جو اس میں ماہر ہے اگرچہ وہ محدث اور فقیہ نہ ہو۔

(۱۵) ان آیات کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علم اور دیگر فضائل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے اس کا اقرار کرنا چاہیے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا

**عَلِمْتُ ﴿﴾** (الکھف: ۶۶/۱۸) ”آپ مجھے سکھائیں اس میں سے جو آپ کو سکھایا گیا ہے، یعنی اس علم

سے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔

(۱۶) علم نافع وہ علم ہے جو خیر کی طرف راہنمائی کرے ہر وہ علم جس میں رشد و ہدایت اور خیر کے راستے کی

طرف راہنمائی ہو شر کے راستے سے ڈرایا گیا یا ان مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہو وہ علم نافع ہے۔ اس کے

علاوہ دیگر علوم وہ یا تو نقصان دہ ہوتے ہیں یا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسے فرمایا: ﴿أَنْ تَعْلَمَ مِنْهَا﴾

**عَلِمْتُ رُشْدًا ﴿﴾** (الکھف: ۶۶/۱۸)

(۱۷) اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص میں عالم اور علم کی صحبت کے لئے قوت صبر اور حسن ثبات نہیں

وہ علم حاصل کرنے کا اہل نہیں۔ جو صبر سے محروم ہے وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص صبر کو کام میں لاتا اور

اس کا التزام کرتا ہے وہ جس امر میں بھی کوشش کرے گا اس کو حاصل کر لے گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے اس مانع کا ذکر کیا تھا جو ان کے لئے حصول علم سے مانع تھا

اور وہ تھا جناب خضر کی معیت میں ان کا عدم صبر۔

(۱۸) اس قصے سے ثابت ہوا کہ حصول صبر کا سب سے بڑا سبب اس امر میں اس کا علم و آگہی ہے جس میں صبر

کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس وہ شخص جو اس بارے میں کچھ نہیں جانتا نہ اس کے غرض و غایت اس کے

نتیجہ اس کے فوائد و ثمرات کا اسے علم ہے وہ صبر کے اسباب سے بے بہرہ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے: ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا﴾ (الکھف: ۶۸/۱۸) ”جس چیز کے

بارے میں آپ کو کوئی خبر نہ ہو آپ اس بارے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں۔“ پس جناب خضر نے اس چیز کے

بارے میں عدم علم کو بے صبری کا سبب قرار دیا۔

(۱۹) اس قصے سے مستنبط ہوتا ہے کہ جب تک کسی چیز کے مقصد اور اس بات کی معرفت حاصل نہ ہو جائے کہ

اس سے کیا مراد ہے تو اس وقت تک اس پر خوب غور و فکر کیا جائے اور اس پر حکم لگانے میں جلدی نہ کی

جائے۔

(۲۰) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ مستقبل میں واقع ہونے والے بندوں کے افعال کو مشیت الہی سے معلق

کیا جائے۔ جب بندہ کسی چیز کے بارے میں کہے کہ وہ مستقبل میں یہ کرے گا تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ

”اگر اللہ نے چاہا“ ضرور کہے۔

(۲۱) کسی چیز کے فعل کا عزم اس فعل کے قائم مقام نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ

اللَّهُ صَابِرًا﴾ (الکھف: ۶۹/۱۸) ”اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔“ پس انہوں نے



اپنے نفس کو صبر پر مجبور کیا مگر صبر نہ کر سکے۔

(۲۲) ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر معلم اس امر میں مصلحت سمجھتا ہو کہ متعلم بعض چیزوں کے متعلق سوال میں ابتدائے کرے جب تک کہ معلم خود اسے ان چیزوں سے واقف نہ کرائے..... تو مصلحت ہی کی پیروی جائے، مثلاً: اگر معلم سمجھے کہ متعلم کم فہم ہے یا معلم متعلم کو زیادہ بار یک سوال کرنے سے روک دے جبکہ اس کے علاوہ دیگر امور زیادہ اہم ہوں یا متعلم کا ذہن اس کا ادراک نہ کر سکتا ہو یا وہ کوئی ایسا سوال کرے جو زیر بحث موضوع سے متعلق نہ ہو۔

(۲۳) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں سمندر میں سفر کرنا جائز ہے جبکہ خوف نہ ہو۔

(۲۴) اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بھول جانے والے شخص کا اس کے نسیان کی بنا پر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی مواخذہ نہیں اور اس کی دلیل موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ (الکہف: ۷۳/۱۸): ”میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے۔“

(۲۵) انسان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے اخلاق اور معاملات میں غفو سے کام لے۔ ان کے ساتھ رویہ نرم رکھے ان کو ایسے امور کا مکلف نہ کرے جن کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں یا ان پر شاق گزرتے ہوں یا ایسا کرنا ان پر ظلم کا باعث ہو کیونکہ یہ چیز نفرت اور اکتاہٹ کا باعث بنتی ہے بلکہ وہ طریقہ اختیار کرے جو آسان ہو تاکہ اس کا کام آسان ہو جائے۔

(۲۶) تمام معاملات میں ان کے ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے مال اور خون وغیرہ کے دنیاوی معاملات میں ان کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے اس لیے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے کشتی میں سوراخ کرنے اور بچے کے قتل کرنے پر نکیر فرمائی کیونکہ یہ دونوں ایسے امور ہیں جو بظاہر منکر ہیں۔ جناب خضر کی مصاحبت کے علاوہ کوئی اور صورت حال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اس لئے آنجناب نے اس پر عام معاملات کے مطابق حکم لگانے میں جلدی کی اور اس عارض کی طرف التفات نہ کیا جو آپ پر صبر اور انکار میں عدم عجلت کو واجب کرتا ہے۔

(۲۷) اس قصے سے ایک نہایت جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”چھوٹی برائی کے ارتکاب کے ذریعے سے بڑی برائی کا سد باب کیا جائے“ اور چھوٹی مصلحت کو ضائع کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی جائے۔ معصوم بچے کا قتل یقیناً بہت بڑی برائی ہے مگر اس کے زندہ رہنے سے ماں باپ کا دین کے بارے میں فتنہ میں مبتلا ہونا اس سے زیادہ بڑی برائی ہے بچے کا قتل نہ ہونا اور اس کا باقی رہنا اگرچہ بظاہر نیکی ہے مگر اس کے والدین کے دین و ایمان کا باقی رہنا زیادہ بڑی نیکی ہے اسی وجہ سے خضر علیہ السلام نے اس



بچے کو قتل کیا تھا۔ اس قاعدے کے بہت سے فوائد اور بہت سی فروع ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ پس تمام مصالح اور مفاسد جو ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔

(۲۸) اس واقعے سے ایک اور جلیل القدر قاعدہ مستفاد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ”کسی شخص کے مال میں کسی دوسرے شخص کا ایسا عمل جو کسی مصلحت یا ازالہ مفسدہ کی خاطر ہو وہ جائز ہے، خواہ وہ بغیر اجازت ہی کیوں نہ ہو، خواہ اس سے کسی کے مال میں کچھ اتلاف ہی کیوں نہ واقع ہو۔“ جیسے جناب خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر کے اس میں عیب ڈال دیا تھا اور اس طرح وہ اس ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غصب ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح کسی شخص کے گھر یا مال کے ڈوبنے یا آگ لگنے کی صورت میں اگر کچھ مال کو تلف کر کے باقی مال یا گھر کے کچھ حصہ کو منہدم کر کے باقی گھر کو بچایا جاسکتا ہو تو ایسا کرنا جائز ہے بلکہ دوسرے کے مال کو بچانے کے لئے ایسا کرنا مشروع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ظالم شخص کسی دوسرے کے مال کو غصب کرنا چاہتا ہے، کوئی دوسرا شخص جو مال کا مالک نہیں، اصل مالک کی اجازت کے بغیر، مال کا کچھ حصہ ظالم اور غاصب شخص کو دے کر باقی مال کو بچالے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

(۲۹) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سمندر میں کام کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح خشکی میں۔ ارشاد فرمایا:

﴿يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ﴾ (الکھف: ۷۹/۱۸) اور یہ فرمانے کے بعد ان کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

(۳۰) کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مسکین کچھ مال رکھتا ہے مگر وہ اس کے لئے کافی نہیں ہوتا اس لئے وہ ”مسکین“ کے نام کے اطلاق سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان مسکین کے پاس ایک کشتی تھی۔

(۳۱) اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ اس بچے کے قتل کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا﴾ (الکھف: ۷۴/۱۸) ”آپ نے ایک بہت برا کام کیا“

(۳۲) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص کے طور پر قتل کرنا برائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَغْنِي﴾ (نفس: ۷۴/۱۸)

(۳۳) ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی جان اور اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔

(۳۴) ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ صالحین یا ان کے متعلقین کی خدمت کرنا کسی اور کی خدمت کرنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان یتیموں کے مدفون خزانہ کو باہر نکالنے اور پھر ان کی دیوار تعمیر کر دینے میں یہ علت بیان فرمائی ہے کہ ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔

(۳۵) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں الفاظ استعمال کرتے وقت ادب کو ملحوظ رکھنا

چاہیے چنانچہ جناب خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کرنے کے فعل کی اضافت اپنی طرف کی: ﴿فَارَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا﴾ (الکہف: ۷۹/۱۸) ”میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں“ اور خیر کی اضافت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف کی۔ فرمایا: ﴿فَارَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ﴾ (الکہف: ۸۲/۱۸) اور جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ (الشعراء: ۸۰/۲۶) ”جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی مجھے شفاء عطا کرتا ہے۔“ اور جنات نے کہا تھا: ﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدَ يَمْنُ فِي الْأَرْضِ أَمْ آرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (الحج: ۱۰/۷۲) ”اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر رہنے والوں کے لئے کوئی برا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے بارے میں ان کے رب نے اچھا ارادہ کیا ہے۔“ حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء و تقدیر سے ہوتا ہے۔

(۳۶) کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی بھی حال میں اپنے ساتھی سے علیحدہ ہو جائے اور اس کی صحبت کو ترک کر دے جب تک کہ اس کی سرزنش نہ کرے اور اس کا عذر نہ سن لے جیسا کہ خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

(۳۷) ان امور میں جو ناجائز نہیں، ایک ساتھی کی دوسرے ساتھی سے موافقت کرنا مطلوب اور دوستی کی بقا کا سبب ہے۔ اسی طرح عدم موافقت رشتہ دوستی کے منقطع ہونے کا سبب ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٣٦﴾ إِنَّا مَكَّنَا لَهُ  
اور وہ (یہودی) پوچھتے ہیں آپ سے ذوالقرنین کی بابت کہہ دیجئے! عنقریب پڑھوں گا میں تم پر اس کا کچھ ذکر ۰ بلاشبہ ہم نے قدرت دی تھی اسے  
فِي الْأَرْضِ وَأَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٣٧﴾ فَاتَّبَعَ سَبَبًا ﴿٣٨﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ  
زمین میں، اور دیا تھا ہم نے اسے ہر چیز (قسم) سے ساز و سامان ۰ پس پیچھے لگا وہ ایک راہ کے ۰ یہاں تک کہ جب پہنچا وہ  
مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا  
جائے غروب پر سورج کی تو اس نے پایا اسکو کہ وہ غروب ہو رہا ہے ایک چشمے میں سیاہ کچڑ کے اور پائی اس نے نزدیک اس (چشمے) کے ایک قوم  
قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّمَا أَنْتَ مُعَذِّبٌ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٣٩﴾ قَالَ أَمَّا  
کہا ہم نے، اے ذوالقرنین! یا تو یہ کہ تو سزا دے اور یا یہ کہ اختیار کرے تو ان کی بابت اچھائی ۰ اس نے کہا، لیکن  
مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا ثَكْرًا ﴿٤٠﴾ وَأَمَّا مَنْ  
جو شخص ظالم ہے تو عنقریب ہم سزا دیں گے، پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف، پس وہ عذاب دے گا اسے عذاب سخت ۰ اور لیکن وہ شخص  
أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ الْحُسْنَىٰ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٤١﴾

جو ایمان لایا اور عمل کئے نیک، تو اسکے لئے ہے بدلہ اچھا اور عنقریب ہم کہیں گے (حکم دیں گے) اسے اپنے کام سے آسانی والا ۰



اہل کتاب تھے یا مشرکین انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ان سے کہیں: ﴿سَاتَلُوا عَلَيْكُمْ مَذْنُورًا﴾ ”میں پڑھتا ہوں تم پر اس کا کچھ حال“ جس میں نہایت مفید مگر تعجب خیز خبر ہے۔ یعنی میں تمہیں ذوالقرنین کے صرف وہی احوال سناؤں گا جن میں نصیحت اور عبرت ہے۔ ان کے علاوہ دیگر احوال تو وہ ان کو نہیں سنائے گئے۔ ﴿اِنَّا مَكِّنَّا لَهُ فِي الْاَرْضِ﴾ ”ہم نے اس کو قوت عطا کی تھی زمین میں“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی سے نوازا اور زمین کے گوشوں پر اس کے حکم کو نافذ کیا اور لوگوں کو اس کا مطیع بنایا۔ ﴿وَاَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ ”اور دیا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان پھر پیچھے پڑا وہ ایک سامان کے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے وہ تمام اسباب مہیا کئے جن کے ذریعے سے وہ ہر اس جگہ پہنچا جہاں وہ پہنچنا چاہتا تھا جن کے ذریعے سے اس نے شہروں پر غلبہ حاصل کیا اور نہایت سہولت کے ساتھ دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا۔ اس نے وہ تمام اسباب جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کئے تھے بہتر طریقے سے استعمال کئے۔ پس ہر شخص کو اسباب مہیا نہیں ہوتے اور نہ ہر شخص اسباب مہیا کرنے کی قدرت ہی رکھتا ہے۔ پس جب سبب حقیقی اور اس کو عمل میں لانے کی قدرت یکجا ہو جائے تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور اگر دونوں یا کوئی ایک معدوم ہو تو مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

اور وہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کئے تھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمایا نہ اس کے رسول ﷺ نے اور نہ اس بارے میں کوئی ایسی اخبار منقول ہیں جو افادہ علم کی موجب ہوں اس لئے اس بارے میں سکوت اور ان اسرائیلیات کی طرف عدم التفات کے سوا کوئی چارہ نہیں جن کو ناقلین روایت کرتے ہیں۔ مگر ہم اجمالی طور پر یہ ضرور جانتے ہیں کہ داخلی اور خارجی طور پر یہ اسباب نہایت قوی تھے جن کی بنا پر اس کے پاس ایک عظیم فوج تیار ہو گئی تھی جو اپنی عددی قوت سامان حرب اور نظم کے اعتبار سے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ اس فوج کی مدد سے اس نے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا اور زمین کے مشرق و مغرب اور اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے کی سہولت حاصل ہوئی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اسے وہ اسباب عطا کئے جن کے ذریعے سے وہ غروب آفتاب کی حد تک پہنچ گیا جہاں اس نے چشمے میں سورج کا عکس دیکھا گویا کہ وہ گدلے یعنی سیاہ پانی میں ڈوب رہا تھا۔ یہ منظر اس شخص کے لئے عام ہے جس کے اور مغربی افق کے درمیان پانی ہو۔ اسے ایسے نظر آئے گا گویا سورج پانی کے اندر غروب ہو رہا ہے۔ اگرچہ وہ بہت بلندی پر ہو۔ اور مغرب کی سمت میں ذوالقرنین کو ایک قوم ملی۔ ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّمَا اَنْتَ مُعَذِّبٌ وَّ اِنَّمَا اَنْتَ تَخْذُ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ ”ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! یا تو لوگوں کو تکلیف دے یا ان میں (اپنی بابت)

خوبی رکھ“ یعنی خواہ تو ان کو قتل و ضرب یا قیدی بنا کر عذاب میں مبتلا کر یا ان پر احسان کر۔ ذوالقرنین کو ان دو امور



میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ کفار یا فساق کی قوم تھی یا ان میں کچھ کفر اور فسق موجود تھا کیونکہ اگر وہ غیر فاسق مومن ہوتے تو ان کو عذاب دینے کی اجازت نہ دی جاتی۔ پس ذوالقرنین کو سیاست شرعیہ کا کچھ حصہ ملا تھا جس کے ذریعے سے اس نے اللہ کی توفیق سے ایسے کام کیے جن پر وہ مدح و ستائش کا مستحق ٹھہرا چنانچہ اس نے کہا: ان کو دو قسموں میں تقسیم کر دوں گا۔

﴿اَمَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ جس نے ظلم کیا، یعنی کفر کیا۔ ﴿فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰی رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا مُّكَرًّا﴾ ”سو ہم اس کو سزا دیں گے پھر لوٹ جائے گا وہ رب کے پاس پس وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب“، یعنی اسے دو سزائیں ملیں گی ایک سزا اس دنیا میں اور ایک سزا آخرت میں۔ ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءُ الْاٰمِنِیْنَ﴾ اور جو کوئی ایمان لایا اور کیا اس نے بھلا کام سوا اس کا بدلہ بھلائی ہے۔ ”یعنی اس کو جزا کے طور پر قیامت کے دن جنت عطا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھے احوال سے نوازا جائے گا۔ ﴿وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اٰمِرِنَا یُسْرًا﴾ اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی کا، یعنی ہم اس سے اچھا سلوک کریں گے ہم اس سے نرم بات اور آسان معاملہ کریں گے۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ذوالقرنین نیک بادشاہوں، اولیائے صالحین اور عدل کرنے والوں میں سے تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی موافقت کرتے ہوئے ہر شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جس کے وہ لائق تھا۔

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ۙ ۹۱ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ ۙ پھر پیچھے لگا وہ (اور) راہ کے ۰ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا جائے طلوع پر آفتاب کی تو پایا اسے کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر لَمْ نَجْعَلْ لَهُم مِّنْ دُوْنِهَا سَبْتًا ۙ ۹۲ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحْطٰنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۙ کہ نہیں بنایا ہم نے ان کے لیے سورج کے اس طرف کوئی پردہ ۰ اسی طرح تھا، اور تحقیق احاطہ کر لیا تھا ہم نے اس کا جو کچھ کہہ سکے پاس تھا بابت علم کے ۰ ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ۙ ۹۳ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ پھر پیچھے لگا وہ ایک راہ کے ۰ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا درمیان دو دیواروں کے تو پایا اس نے ان دونوں کے اُس طرف ایک قوم کو لَا یُكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۙ ۹۴ قَالُوْٓا یٰۤاَلْقَرْنِیْنِ اِنْ یَّاۤجُوْجُ وَ مَاۤ جُوْجُ مُفْسِدُوْنَ کہ نہیں قریب تھی کہ سمجھ سکتی وہ کوئی بات ۰ انہوں نے کہا، اے ذوالقرنین! بلاشبہ یا جوج اور ماجوج فساد کرنے والے ہیں فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلْ لَّكَ خُرْجًا عَلٰی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ۙ ۹۵ قَالَ مَا ۙ زمین میں تو کیا مقرر کریں ہم تیرے لئے کچھ مال اوپر اس (شرط) کے کہ بناوے تو درمیان ہمارے اور درمیان ان کے ایک بند ۰ اس نے کہا، جو مَكَّنٰی فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ

قدرت دی ہے مجھے اس میں میرے رب نے بہت بہتر ہے پس تم مدد کرو میری ساتھ قوت کے تو بنادوں گا میں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان

رَدْمًا ۙ اَتُوْنِيْ ذُبْرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ اَنْفُخُوْا

ایک مضبوط دیوار ۝ تم لا دو مجھے تختے لوہے کے، یہاں تک کہ جب اس نے برابر کر دیا دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان، تو کہا، دھو گلو (پھو گلو) تم،

حَتّٰى اِذَا جَعَلَهُ نَارًا ۙ قَالَ اَتُوْنِيْ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قَطْرًا ۙ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

یہاں تک کہ جب اس نے بنا دیا اسے آگ تو کہا، لاؤ میرے پاس میں ڈال دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا ۝ پس نہ تو وہ استطاعت رکھتے تھے

اَنْ يُّظْهِرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۙ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۙ

یہ کہ چڑھ جائیں اس پر اور نہ استطاعت رکھتے تھے اس میں سوراخ کرنے کی ۝ ذوالقرنین نے کہا، یہ رحمت ہے میرے رب کی

فَاِذَا جَاءَ وَعَدُ رَّبِّيْ جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۙ وَكَانَ وَعْدُ رَّبِّيْ حَقًّا ۙ

پس جب آ جائے گا وعدہ میرے رب کا تو وہ کر دے گا اسے ہموار (زمین) اور ہے وعدہ میرے رب کا حق ۝

یعنی جب وہ غروب آفتاب کی حدود تک پہنچ گیا تو واپس لوٹا اور ان اسباب کے ذریعے سے جو اللہ نے اسے

عطا کر رکھے تھے طلوع آفتاب کی حدود کا قصد کیا پس وہ طلوع آفتاب کی حدود میں پہنچ گیا تو ﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ

عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ يَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُونِهَا سِتْرًا﴾ پایا سورج کو کہ وہ ایسی قوم پر نکلتا ہے کہ نہیں بنایا ہم نے ان کے

لیے آفتاب کے ورے کوئی پردہ، یعنی اس نے دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے کہ جس کے پاس دھوپ

سے بچنے کے لئے کوئی سامان نہ تھا یا تو اس بنا پر کہ وہ بنانے کی استعداد نہ رکھتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ یکسر

وحشی اور غیر متمدن تھے..... یا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس سورج غروب نہیں ہوتا تھا ہمیشہ نظر آتا رہتا تھا۔ جیسا

کہ جنوبی افریقہ کے مشرقی حصوں میں ہوتا ہے۔ ذوالقرنین اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کسی انسان کا اپنے ظاہری

بدن کے ساتھ پہنچنا تو کجا انسان کو ان علاقوں کے بارے میں علم تک نہ تھا..... بایں ہمہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی

تقدیر اور اس کے علم کے مطابق تھا۔ اس لئے فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾ ”یونہی ہے اور تحقیق

ہم نے گھیر لیا تھا اس کے پاس کی تمام خبروں کو، یعنی ذوالقرنین کے پاس جو بھلائی اور عظیم اسباب تھے اور جہاں

کہیں وہ جاتا تھا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۙ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾ پھر لگا وہ ایک سامان کے پیچھے یہاں تک کہ جب پہنچا

وہ دو پہاڑوں کے درمیان، اصحاب تفسیر کہتے ہیں کہ وہ مشرق سے شمال کی طرف روانہ ہوا اور وہ دو پہاڑوں کے

درمیان پہنچا اور یہ دونوں اس زمانے میں معروف تھے۔ یہ دائیں بائیں دو بندوں کی مانند دو پہاڑی سلسلے تھے اور

دونوں پہاڑ یا جوج و ما جوج اور لوگوں کے درمیان رکاوٹ تھے۔ ذوالقرنین کو ان پہاڑی سلسلوں کے اس طرف

ایک ایسی قوم ملی جو اپنی اجنبی زبان اور اذہان و قلوب میں ابہام ہونے کی وجہ سے کوئی بات سمجھنے سے قاصر تھی۔ اللہ

تبارک و تعالیٰ نے ذوالقرنین کو ایسے علمی اسباب مہیا کر رکھے تھے جن کی بنا پر وہ اس اجنبی قوم کی زبان سمجھ سکتا تھا



ان سے بات چیت کر سکتا تھا اور وہ اس سے بات کر سکتے تھے۔ پس ان لوگوں نے اس کے سامنے یا جوج و ما جوج کی مار دھاڑ کی شکایت کی۔ یا جوج و ما جوج آدم علیہ السلام کی نسل سے دو بہت بڑے گروہ تھے..... ان لوگوں نے ذوالقرنین کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا: ﴿اِنَّ يٰۤاٰجُوۡجَ وَمَآ جُوۡجَ مُفْسِدُوۡنَ فِی الْاَرْضِ﴾ ”یا جوج و ما جوج زمین میں فساد مچاتے ہیں“، یعنی قتل و غارت اور لوٹ مار کے ذریعے سے زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَّكَ خَرَجًا﴾ ”پس (تو کہے) تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول“، یعنی خراج ﴿عَلٰی اَنْ تَجْعَلَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَهُمۡ سَدًا﴾ ”اس شرط پر کہ تو بنادے ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند“ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہ بند بنانے کی خود قدرت نہ رکھتے تھے اور انہیں علم تھا کہ ذوالقرنین یہ دیوار تعمیر کروا سکتا ہے۔ پس انہوں نے ذوالقرنین کو اجرت ادا کرنے کی پیشکش کی تاکہ وہ ان کے لئے دیوار تعمیر کروادے اور انہوں نے ذوالقرنین کو وہ سب بھی بتایا جو دیوار تعمیر کرنے کا داعی تھا..... اور وہ تھا یا جوج و ما جوج کا ان کے علاقے میں مار دھاڑ کرنا اور فساد پھیلانا۔

ذوالقرنین لالچی تھا نہ دنیا کی اسے کوئی رغبت تھی اور نہ وہ رعایا کی اصلاح احوال کے لئے کوشش ترک کرنے والا تھا بلکہ اس کا مقصد تو محض اصلاح تھا اس لئے اس نے ان کا مطالبہ مان لیا کیونکہ اس میں مصلحت تھی اور ان سے دیوار تعمیر کروانے کی اجرت نہ لی اس نے بس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اسے دیوار بنانے کی طاقت اور قدرت عطا کی چنانچہ ذوالقرنین نے ان سے کہا: ﴿مَا مَكَّنٰی فِیۡہِ رَبِّیْ خَبْرًا﴾ ”مجھے میرے رب نے جو قوت عطا کی ہے وہ بہتر ہے“، یعنی جو بھلائی مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم مجھے عطا کرنا چاہتے ہو۔ البتہ میں چاہتا ہوں کہ تم افرادی قوت اور اپنے ہاتھوں کے ذریعے سے میری مدد کرو۔ ﴿اَجْعَلْ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَهُمۡ رَدْمًا﴾ ”میں بنا دیتا ہوں تمہارے اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار“، یعنی میں ایسی رکاوٹ تعمیر کئے دیتا ہوں جسے وہ عبور کر کے تم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔

﴿اَتُوۡنِیْ ذُبَّرَ الْحَدِیۡدِ﴾ ”لا دو تم مجھے لوہے کے تختے“، یعنی لوہے کے ٹکڑے۔ پس انہوں نے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دیے۔ ﴿حَتّٰی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ﴾ ”حتیٰ کہ جب اس نے دونوں کناروں تک برابر کر دیا“، یعنی جب دیوار ان دو پہاڑوں کے برابر ہو گئی جن کے درمیان یہ دیوار بنائی گئی تھی۔ ﴿قَالَ اَنْفُخُوۡا﴾ ”کہا دھونکو“، یعنی بہت بڑا لاؤ جلاؤ اس کے لئے بڑی بڑی دھونکنی استعمال کرو تاکہ آگ کی تپش بہت شدید ہو جائے اور تانبا اچھی طرح پگھل جائے۔ جب تانبا پگھل گیا جس کو وہ فولاد کے تختوں کے درمیان ڈالنا چاہتا تھا تو ﴿قَالَ اَتُوۡنِیْ اُفْرِغْ عَلَیۡہِ قَطْرًا﴾ ”کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔“ پس اس نے پگھلا ہوا تانبا دیوار پر ڈالا جس سے دیوار بے پناہ مضبوط ہو گئی اور یوں دیوار سے ادھر رہنے والے لوگ یا جوج اور ما جوج کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہو گئے۔



﴿فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا﴾ یعنی وہ اس دیوار پر چڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ بہت بلند تھی اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے کیونکہ یہ بے حد مضبوط تھی۔ جب وہ اس اچھے اور جلیل القدر کام سے فارغ ہوا تو اس نے اس نعمت کی اضافت نعمت عطا کرنے والے کی طرف کی۔ اس نے کہا: ﴿هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي﴾ ”یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی“ یعنی یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔ اور یہ صالح خلفاء کا حال ہے جب اللہ تعالیٰ انہیں جلیل القدر نعمتوں سے نوازتا ہے تو ان کے شکر اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اقرار اور اعتراف میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے..... جب اتنی دور سے ملکہ سبا کا تخت ان کی خدمت میں حاضر کیا گیا تھا..... اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اقرار کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ؕ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ (النمل: ۴۰، ۴۱) ”یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا کفر ان نعمت کا مرتکب ہوتا ہوں۔“ اس کے برعکس جابر متکبر اور زمین پر عام غالب لوگوں کو بڑی بڑی نعمتیں اور زیادہ متکبر اور مغرور بنا دیتی ہیں جیسا کہ قارون نے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے خزانے عطا کئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی کہا تھا: ﴿اِنَّمَا اُوْتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ (القصص: ۲۸، ۲۹) ”یہ دولت مجھے اس علم کی بنا پر دی گئی ہے جو مجھے حاصل ہے۔“

﴿فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي﴾ ”پس جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا“ یعنی یا جوج و ما جوج کے خروج کا وعدہ ﴿جَعَلَهُ دَكَّاءَ﴾ ”اس کو برابر کر دے گا۔“ یعنی اس مضبوط اور مستحکم دیوار کو گرا کر منہدم کر دے گا اور وہ زمین کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔ ﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا﴾ ”اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔“

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَعَلْنَاهُمْ جُجًا ﴿٩٩﴾

اور چھوڑ دیں گے ہم انکے بعض کو اس دن، وہ گھس جائیں گے بعض میں اور پھونکا جائے گا صور میں، پھر جمع کریں گے ہم ان سب کو ○

وَعَرْضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِينَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ

اور سامنے لے آئیں گے ہم جہنم کو اس دن کافروں کے رو برو ○ وہ لوگ کہ تھیں آنکھیں ان کی پردے میں

عَنْ ذِكْرِنِي وَكَاُنُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَبْعًا ﴿١٠١﴾

میری یاد سے، اور تھے وہ نہیں استطاعت رکھتے سننے کی ○

﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ﴾ ”اور چھوڑ دیں گے ہم ان کے بعض کو اس دن ایک دوسرے

میں گھسے“ اس میں یہ احتمال ہے کہ ضمیر یا جوج و ما جوج کی طرف لوثی ہو۔ جب وہ اپنے علاقوں سے نکل کر لوگوں پر حملہ آور ہوں گے تو اپنی کثرت اور تمام زمین پر پھیل جانے اور اس کو بھر دینے کی وجہ سے سمندر کی موجوں کی مانند

ایک دوسرے سے گھم گھا ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتَّىٰ اِذَا فُتِحَتْ يَابُجُوجَ وَمَا جُوجَ وَهُمْ

قِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۹۶﴾ (الانبیاء: ۹۶/۲۱) ”یہاں تک کہ یا جوج و ما جوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلند جگہ سے اتر پڑیں گے۔“ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر خلّاق کی طرف لوثی ہو یہ کہ لوگ قیامت کے روز اکٹھے ہوں گے وہ بہت زیادہ ہوں گے اور اضطراب ہول اور زلزلوں کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکم پیل کر رہے ہوں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَهُمْ جَمْعًا ۝ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِي غَظَاٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَبْعًا﴾ یعنی جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ تمام ارواح کو جسموں میں واپس لوٹا دے گا۔ پھر تمام اولین و آخرین کفار اور موئین کو اکٹھا کر کے میدان قیامت میں جمع کرے گا تاکہ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے ان کا محاسبہ کیا جائے اور ان کے اعمال کی جزا دی جائے پس کفار کو ان کے کفر کے مطابق جہنم میں ڈالا جائے گا جہاں وہ ابد الابد تک رہیں گے۔ اسی لئے فرمایا:

﴿وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا﴾ اور دکھلا دیں گے ہم جہنم اس دن کافروں کو سامنے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبَرَزَتِ الْجَحِيْمُ لِّلْغَوِيْنَ﴾ (الشعراء: ۹۱/۲۶) ”اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لایا جائے گا۔“ یعنی کفار کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ یہ ان کا ٹھکانا بنے اور تاکہ کفار جہنم کی بیڑیوں اس کی بھڑکتی ہوئی آگ اس کے ابلتے ہوئے پانی اور اس کی ناقابل برداشت سردی سے متمتع ہوں اور اس کے عذاب کا مزا چکھیں جس سے دل گونگے اور کان بہرے ہو جائیں گے یہ ان کے اعمال کا نتیجہ اور ان کے افعال کی جزا ہے۔

یہ لوگ دنیا میں اس حال میں تھے: ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِي غَظَاٍ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے، یعنی یہ لوگ ذکر حکیم اور قرآن کریم سے روگردانی کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ﴿قُلُوْبَنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّنَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ﴾ (حم السجدة: ۵۱/۴۱) ”جس چیز کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔“ اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کی فائدہ مند نشانیوں کو دیکھنے سے روکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ (البقرة: ۷۱/۲) ”اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔“ ﴿وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَبْعًا﴾ اور وہ نہیں طاقت رکھتے تھے سننے کی، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جو ایمان تک پہنچاتی ہیں قرآن اور رسول (ﷺ) کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے سن نہیں سکتے کیونکہ بغض رکھنے والا شخص جس کے خلاف بغض رکھتا ہے اس کی بات کو غور سے سن نہیں سکتا۔ جب وہ علم اور بھلائی کے راستوں سے محجوب ہو جاتے ہیں تب ان کے پاس سننے کے لئے کان ہوتے ہیں نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سمجھنے کے لئے عقل نافع۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا اس لئے وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔



اَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُوْنِي اَوْلِيَاءَ

کیا پس گمان کیا ہے ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، یہ کہ ٹھہرائیں وہ میرے بندوں کو، سوائے میرے کار ساز؟

اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ نَزْلًا ﴿۱۰﴾

بلاشبہ ہم نے تیار کیا ہے جہنم کو کافروں کے لیے بطور مہمانی ۱۰

یہ مشرکین اور کافروں کے دعوے کے بطلان کی دلیل ہے جنہوں نے بعض انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا، وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اولیائے کرام ان کے مددگار ہوں گے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلائیں گے اور ثواب عطا کریں گے حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ استفہام اور انکار کے پیرائے میں جس سے ان کے اس عقیدے کا عقلی طور پر بطلان متحقق ہوتا ہے..... فرماتا ہے: ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُوْنِي اَوْلِيَاءَ﴾ کیا سمجھتے ہیں کافر لوگ کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا دوست، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا اور کوئی ولی اللہ تعالیٰ کے کسی دشمن کو اپنا دوست نہیں بنا سکتا کیونکہ تمام اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ سے محبت اس کی رضا اس کی ناراضی اور اس کے بغض کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی موافقت کرتے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کے اس ارشاد کے مشابہہ ہے۔ ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلٰٓئِنَّا مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱-۴۲) ”جس روز اللہ تمام لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے (ان مشرکین کے متعلق) پوچھے گا کیا یہی وہ لوگ ہیں جو تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے تو پاک ہے ان کی بجائے تو ہمارا ولی (دوست) ہے۔“

پس جو کوئی اس زعم میں مبتلا ہے کہ اس نے ولی اللہ کو اپنا دوست بنا لیا ہے جب کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ تو وہ سخت جھوٹا ہے..... ظاہر میں اس آیت میں اس معنی کا احتمال ہے کہ کیا کفار نے جو اللہ تعالیٰ کے منکر اور اس کے رسولوں کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں یہ گمان کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی و مددگار بنا لیں گے جو ان کی مدد کریں گے ان کو فائدہ پہنچائیں گے اور ان سے تکلیفوں کو دور کریں گے؟ یہ ان کا باطل خیال اور فاسد گمان ہے کیونکہ مخلوق میں سے کسی کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان نہیں۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مشابہت رکھتا ہے۔ ﴿قُلْ اَدْعُوْا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفِ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا نَحْوِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷، ۱۸) ”کہہ دیجئے کہ تم پکار دیکھو اپنے ان خود ساختہ معبودوں کو جن کو تم اللہ کے سوا کار ساز سمجھتے ہو تو (یاد رکھو) وہ تمہاری تکلیف دور کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نہ بدلنے کی۔“ اور





قیامت کے روز کوئی تول۔“ وزن کا فائدہ تو نیکیوں اور برائیوں کے مقابلے کے وقت ہوتا ہے تاکہ رائج اور مرجوح کو دیکھا جاسکے اور ان لوگوں کے پاس تو نیکیاں سرے سے ہیں ہی نہیں کیونکہ ان میں نیکیوں کے معتبر ہونے کی شرط معدوم ہے اور وہ ہے ایمان۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظَلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾ (طہ: ۱۱۲، ۱۱۳) ”جو کوئی نیک عمل کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو اسے کسی ظلم اور حق تلفی کا خوف نہ ہوگا۔“ لیکن ان کے اعمال کو شمار کیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کا اقرار کریں گے اور وہ گواہوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں گے اور پھر ان اعمال کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے گا اس لئے فرمایا: ﴿ذَلِكَ جَزَاءُهُمْ﴾ ”یہ بدلہ ہے ان کا“، یعنی ان کے اعمال کا ضائع جانا ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے، قیامت کے روز ان کی حقارت اور خست کی وجہ سے ان کے اعمال کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ استہزا کیا اور ان کا تمسخر اڑایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں پر کامل طور پر ایمان لانا، ان آیات کی تعظیم کرنا اور انہیں پوری طرح قائم کرنا فرض ہے۔ مگر اس قضیے میں ان کا عمل اس کے برعکس ہے اس لئے وہ ہلاک ہوئے اور اوندھے منہ جہنم میں جا گرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار اور ان کے اعمال کا انجام ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان اور ان کے اعمال کا انجام ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۱۰

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے نیک ہو گئے ان کے لیے باغات فردوس کے بطور مہمانی کے ○

خُلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حَوْلًا ۝۱۱

اس حال میں کہ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں، نہیں چاہیں گے وہ اس سے جگہ بدلنا ○

یعنی جو اپنے دل سے ایمان لائے اور اپنے جوارح سے نیک عمل کئے اور یہ وصف تمام دین، یعنی اس کے عقائد و اعمال اور اس کے ظاہری اور باطنی اصول و فروع سب کو شامل ہے۔ تمام اہل ایمان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے مراتب کے مطابق جنت فردوس کے مختلف طبقات عطا ہوں گے۔ ”جنت الفردوس“ میں اس معنی کا احتمال ہے کہ اس سے مراد جنت کا بلند ترین، بہترین اور افضل درجہ ہو اور یہ ثواب ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کی تکمیل کی اور وہ ہیں انبیائے کرام اور مقربین۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے جنت کی تمام منازل اور اس کے تمام درجے مراد ہوں اور یہ ثواب جنت کے تمام طبقات، یعنی مقربین، ابرار اور متوسطین ان کے حسب حال سب کو شامل ہو اور یہی معنی زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ معنی عام ہے، نیز اس لیے کہ جنت کو جمع کے لفظ کے ساتھ ”فردوس“ کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں فردوس کا اطلاق اس باغ پر ہوتا ہے جو انور کی بیلوں اور گنجان درختوں پر مشتمل ہو تب یہ لفظ تمام جنت پر صادق آتا ہے۔ پس جنت فردوس ان لوگوں کے



لئے مہمانی اور ضیافت کی جگہ ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے۔ اس ضیافت سے بڑی زیادہ عظیم اور زیادہ جلیل القدر کون سی ضیافت ہو سکتی ہے جو قلب و روح اور بدن کے لئے ہر نعمت پر مشتمل ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت موجود ہے جس کی نفس خواہش کریں گے اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی، مثلاً خوبصورت گھر، سرسبز باغات، پھل دار درخت، سحر انگیز گیت، گاتے ہوئے پرندے، لذیذ ماکولات و مشروبات، خوبصورت بیویاں، خدمت گزار لڑکے، بہتی ہوئی نہریں، دلکش مناظر، حسی اور معنوی حسن و جمال اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔ اس سے بھی افضل اور جلیل القدر نعمت، رحمن کا تقرب، اس کی رضا کا حصول جو کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور رؤف و رحیم کے کلام سے لطف اندوز ہونا..... اللہ کی قسم! یہ ضیافت کتنی جلیل القدر کتنی خوبصورت، ہمیشہ رہنے والی اور کتنی کامل ہوگی۔ یہ ضیافت اس سے بہت بڑی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی شخص اس کا وصف بیان کر سکے یا دلوں میں اس کے تصور کا گزر ہو سکے۔

اگر بندوں کو ان میں سے کچھ نعمتوں کا حقیقی علم حاصل ہو کر ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے تو دل شوق سے اڑنے لگیں گے، جدائی کے درد سے روح لخت لخت ہو جائے گی اور بندے اکیلے اکیلے اور گروہ درگروہ اس کی طرف کھینچے چلے آئیں گے۔ وہ اس کے مقابلے میں دنیائے فانی اور اس کی ختم ہو جانے والی لذات کو کبھی بھی ترجیح نہیں دیں گے۔ وہ اپنے اوقات کو ضائع نہیں کریں گے کہ یہ اوقات خسارے اور ناکامی کا باعث بنیں کیونکہ اس جنت کا ایک لمحہ دنیا کی ہزاروں سال کی نعمتوں کے برابر ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ غفلت نے گھیر رکھا ہے ایمان کمزور پڑ گیا اور ارادہ اضمحلال کا شکار ہو گیا ہے، پس اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلتا چاہیے تھا فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿خَلِدِينَ فِيهَا﴾ ”وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے“ یہ تکمیل نعمت ہے۔ جنت میں کامل نعمتیں عطا ہوں گی اور ان نعمتوں کی تکمیل یہ ہے کہ وہ کبھی منقطع نہیں ہوں گی۔ ﴿لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ”نہیں چاہیں گے وہ وہاں سے جگہ بدلنے، یعنی وہ ان نعمتوں سے منتقل ہونا نہیں چاہیں گے کیونکہ وہ صرف اسی چیز کی طرف دیکھیں گے جو انہیں پسند آئے اور اچھی لگے، جس سے وہ خوش ہوں اور فرحت حاصل کریں اور اس سے بڑھ کر انہیں کوئی نعمت نظر نہیں آئے گی جس سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ  
کہہ دیجئے، اگر ہو جائے سمندر (کا پانی) سیاہی باتیں کہنے کے لیے میرے رب کی تو البتہ ختم ہو جائے سمندر پہلے اس سے کہ ختم ہوں  
كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۹﴾

باتیں میرے رب کی اگرچہ لے آئیں ہم مثل اس کے (اور) بطور مدد کے ۰



یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی لامحدود صفات کے متعلق آگاہ کر دیجئے، نیز ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ بندے ان صفات کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ ﴿لَوْ كَانَ الْبَحْرُ﴾ ”اگر ہوں سمندر“ یعنی اس دنیا میں موجود تمام سمندر ﴿مِدَادًا لِّكَلِمَتِ رَبِّي﴾ ”میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے روشنائی“ یعنی روز اول سے لے کر آخر تک شہروں اور صحراؤں کے تمام درختوں کی قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی میں تبدیل ہو جائیں۔ ﴿لَنفَدَ الْبَحْرُ﴾ تو سمندر ختم ہو جائیں گے اور قلم (لکھتے لکھتے گھس کر) ٹوٹ جائیں گے۔ ﴿قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَتُ رَبِّي﴾ ”پہلے اس کے کہ ختم ہوں میرے رب کی باتیں“ اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ مخلوق میں سے کوئی ہستی اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُادُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (لقمن: ۲۷/۳۱) ”زمین پر جتنے بھی درخت ہیں، اگر وہ سب قلم بن جائیں، سمندر جیسے سات سمندر روشنائی مہیا کریں، دوات بن جائیں تب بھی اللہ کی باتیں لکھتے لکھتے ختم نہ ہوں گی، بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔“

یہ معانی کو ذہن کے قریب تر کرنے کا ایک اسلوب ہے کیونکہ یہ تمام اشیاء مخلوق ہیں اور تمام مخلوقات ختم ہونے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی جملہ صفات میں شمار ہوتا ہے اور اس کی صفات غیر مخلوق ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ پس جتنی بھی عظمتیں اور وسعتیں ہیں، جن کا تصور دلوں میں آ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی باقی صفات کا معاملہ ہے مثلاً: اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی حکمت، اس کی قدرت اور اس کی رحمت..... اگر زمین اور آسمان کی مخلوق میں سے تمام اولین و آخرین کے علم کو اکٹھا کر لیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلے میں اتنا ہی قلیل ہے جتنا ایک چڑیا کی چونچ میں وہ پانی جو وہ ایک سمندر سے لیتی ہے۔ اس قطرہ آب کو جو نسبت عظیم سمندر سے ہے، وہی نسبت عام انسانوں کی صفت کو اللہ کی عظیم صفات سے ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اعظم، لامحدود اور کامل صفات کا مالک ہے اور ہر چیز کی انتہا اللہ ہی کے پاس ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُوا

(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے، یقیناً میں تو بشر ہوں تمہاری ہی طرح، وحی کی جاتی ہے میری طرف یہ کہ بلاشبہ تمہارا معبود، معبود ہے ایک ہی پس جو شخص ہے امید رکھتا

لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

ملاقات کی اپنے رب سے، تو چاہیے کہ وہ عمل کرے عمل صالح، اور نہ شریک ٹھہرائے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی ۝

﴿قُلْ﴾ اے محمد (ﷺ) ان کفار سے کہہ دیجئے! ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ”میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے

تم“، یعنی میں معبود نہیں، اقتدار الہی میں میرا کوئی حصہ ہے نہ میرے پاس کوئی علم عیب ہے اور نہ میرے پاس اللہ

کے خزانے ہی ہیں: ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ میں اپنے رب کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ ﴿يُوحَىٰ﴾

اِنِّیْ اَنْۢمَآ اِلَہُکُمْ اِلَہٌ وَّاحِدٌ ﴿۱﴾ ”وحی آتی ہے مجھ پر کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے“، یعنی مجھے تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف وحی کرتا ہے اور جلیل ترین وحی یہ ہے کہ اس نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے، یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی ذرہ بھر عبادت کا مستحق ہے اور میں تمہیں ان اعمال کی دعوت دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس کے ثواب سے بہرہ ور کرتے ہیں اور تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ”پس جس کو امید ہو اپنے رب سے ملاقات کی، سو وہ کرے نیک عمل“۔ اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب اور مستحب ہیں۔ ﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ ”اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے“، یعنی اپنے اعمال میں ریا سے کام نہ لے بلکہ اس کے اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جو اخلاص اور اتباع کی جامع ہے اور اسی سے مطلوب ثواب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس طریقے کے سوا دیگر طریقوں کو اختیار کرنے والے لوگ اپنی دنیا و آخرت میں خائب و خاسر لوگ ہیں۔ جو اپنے آقا و مولا کے قرب اور اس کی رضا کے حصول سے محروم ہوں گے۔

### تفسیر سورۃ مزیمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شرع) جو نہایت مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

ایک نکتہ ۹۸  
دو نکتہ ۶

سورۃ مزیمہ  
(۱۹) مکیہ (۱۱۳)

کَہٰیضَ ۙ ۱ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہُ ذِکْرًا ۙ ۲ اِذْ نَادٰی رَبُّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ۙ ۳

کَہٰیضَ ۙ (یہ) ذکر ہے رحمت کا آپ کے رب کی، اپنے بندے ذکر یا پر ۰ جب پکارا تھا اس نے اپنے رب کو پکارنا آہستہ ۰

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَہَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شِیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِکَ

ذکر یا نے کہا، اے میرے رب! بلاشبہ میں کمزور ہو گئی ہیں ہڈیاں میری، اور بھڑک اٹھا ہے میرا سر بڑھاپے سے، بلور نہیں ہوا میں (کبھی) تجھے پکار کر،

رَبِّ شَقِیًّا ۙ ۴ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتْ اَمْرَآئِیْ عَاقِرًا فَہَبْ لِیْ

اے میرے رب! محروم ۰ اور بلاشبہ میں ڈرتا ہوں اپنے وارثوں سے، اپنے پیچھے اور ہے میری بیوی بانجھ، پس عطا کر تو مجھے

مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۙ ۵ یَّرِثْنِیْ وَیَرِثْ مِنْ اِلٰی یَعْقُوبَ ۙ ۶ وَاجْعَلْہٗ رَبِّ رَضِیًّا ۙ ۷

اپنے پاس سے ایک وارث ۰ کہ وہ وارث ہو میرا، اور وارث ہو آل یعقوب کا، اور تو بنا سے، اے میرے رب! پسندیدہ ۰

﴿ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہُ ذِکْرًا﴾ ”یہ آپ کے رب کی اپنے بندے ذکر یا پر رحمت کا ذکر ہے۔“ جو ہم

آپ کے سامنے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ کے نبی ذکر یا علیہ السلام کے احوال ان کے

آثار صالحہ اور مناقب جلیلہ کی معرفت حاصل ہوگی کیونکہ اس قصے میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت

اور پیروی کرنے والوں کے لئے ایک نمونہ ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی اپنے دوستوں پر رحمت کا مفصل ذکر اور اس



کے حصول کے اسباب کا بیان اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے ذکر کی کثرت اس کی معرفت اور اس تک پہنچانے والے اسباب کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا اور انہیں اپنی وحی کے لئے مختص کر لیا۔ انہوں نے اس ذمہ داری کو اسی طرح ادا کیا جس طرح دیگر انبیاء و مرسلین نے ادا کیا۔ بندوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دی اور انہیں وہ تعلیم دی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی تھی۔ اپنی زندگی میں اور اپنی موت کے بعد ان کی اسی طرح خیر خواہی کی جیسے ان کے برادران دیگر انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین نے کی تھی۔

جب انہوں نے اپنے آپ کو کمزور ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ وہ اس حال میں وفات پا جائیں گے کہ بندوں کو ان کے رب کی طرف دعوت دینے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں ان کی نیابت کرنے والا کوئی نہ ہوگا..... تو انہوں نے اپنے رب کے پاس اپنی ظاہری اور باطنی کمزوری کا شکوہ کیا اور اسے چپکے چپکے پکارتا کہ یہ دعا اخلاص کے لحاظ سے اکمل و افضل ہو۔ انہوں نے عرض کی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهْنَ الْعَظْمِ مِثِّیْ﴾ ”اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں“ اور جب ہڈیاں جو کہ بدن کا سہارا ہیں کمزور ہو جاتی ہیں تو دیگر تمام اعضاء بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ ﴿وَاشْتَغَلَ الرَّاسُ شَيْبًا﴾ ”اور بھڑکا سر بڑھا پے سے“ کیونکہ بڑھا پا ضعف اور کمزوری کی دلیل موت کا ایلچی اور اس سے ڈرانے والا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے ضعف اور عجز کو اللہ کی طرف وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ محبوب ترین وسیلہ ہے کیونکہ یہ بندے کے اپنی قوت و اختیار سے براءت اور دل کے اللہ تعالیٰ کی قوت و اختیار پر بھروسہ کرنے کے اظہار پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَلَمَّا اٰتٰکُمْ بِدُعَائِکُمْ رَبُّ شَقِیًّا﴾ ”اور تجھ سے مانگ کر اے رب! میں کبھی محروم نہیں رہا“ یعنی اے میرے رب! تو نے کبھی بھی میری دعا کو قبولیت سے محروم کر کے مجھے خائب و خاسر نہیں کیا بلکہ تو مجھے ہمیشہ عزت و اکرام سے نوازتا اور میری دعا کو قبول کرتا رہا ہے۔ تیرا لطف و کرم ہمیشہ مجھ پر سایہ قلمن رہا اور تیرے احسانات مجھ تک پہنچتے رہے۔ یہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی گزشتہ دعاؤں کی قبولیت کو بارگاہ الہی میں بطور وسیلہ پیش کیا۔ پس حضرت زکریا علیہ السلام نے اس ہستی سے سوال کیا جس نے ماضی میں ان کو احسانات سے نوازا کہ وہ آئندہ بھی انہیں اپنی عنایات سے نوازے۔ ﴿وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیْ مِنْ وَّرَآئِیْ﴾ ”اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے“ یعنی مجھے خدشہ ہے کہ میری موت کے بعد بنی اسرائیل پر کون مقرر ہوگا؟ وہ تیرے دین کو اس طرح قائم نہیں کر سکیں گے جس طرح قائم کرنے کا حق ہے اور وہ تیرے بندوں کو تیری طرف دعوت نہیں دیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آ رہا تھا جس میں یہ لیاقت ہو کہ وہ ان کی دینی سربراہی کی ذمہ داری اٹھا سکے۔ اس سے حضرت زکریا علیہ السلام کی شفقت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے نیز





یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کے توسط سے ”یٰحٰی“ (عَلِیْہِ) کی خوشخبری سنائی اور اللہ تعالیٰ نے اس (بیٹے) کو ”یٰحٰی“ کے نام سے موسوم کیا۔ اسم اپنے مسمیٰ کے عین موافق تھا چنانچہ یٰحٰی (عَلِیْہِ) نے حسی زندگی بسر کی جس سے اللہ تعالیٰ کی عنایت کی تکمیل ہوئی اور آپ نے معنوی زندگی بھی بسر کی وہ ہے وحی، علم اور دین کے ذریعے سے قلب و روح کی زندگی۔ ﴿لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَبِيًّا﴾ ”نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی“، یعنی اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں حضرت یٰحٰی (عَلِیْہِ) سے پہلے آپ جیسا کوئی نہیں بنایا تب یہ ان کی کاملیت اور اوصاف حمیدہ سے ان کے متصف ہونے کی بشارت ہے نیز یہ کہ حضرت یٰحٰی (عَلِیْہِ) اپنے سے پہلے تمام لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں..... مگر اس احتمال کے مطابق اس عموم میں سے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت نوح (علیہم السلام) اور ان جیسے دیگر انبیاء کرام کو مخصوص کرنا ہوگا جو قطعی طور پر حضرت یٰحٰی (عَلِیْہِ) سے افضل ہیں۔

جب ان کے پاس اس مولود کے بارے میں جس کے لئے انہوں نے دعا مانگی تھی خوشخبری آگئی تو انہوں نے اس کو عجیب و غریب سمجھا اور تعجب کرتے ہوئے عرض کی: ﴿رَبِّ اَنۡیَ یَّکُونُ لِیْ غُلَمٌ﴾ ”اے رب! کہاں سے ہو گا میرے لیے لڑکا؟“ اور حال یہ ہے کہ مجھ میں اور میری بیوی میں بعض ایسے اسباب موجود ہیں جو اولاد کے وجود سے مانع ہیں۔ گویا آپ کی دعا کے وقت آپ کے سامنے یہ مانع متحضر نہ تھا اور اس کا سبب قلب میں وارد ہونے والے جذبے کی قوت اور بیٹے کی شدید خواہش تھی اور اس حال میں جب آپ کی دعا قبول ہوگئی تو آپ کو تعجب ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰی هٰذَا تَوَّاسٌ﴾ ”یوں ہی ہوگا“ فرما دیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے، یعنی وہ امر جو عادۃً اور مخلوق میں سنت الہی کے مطابق ناممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اسے اسباب کے بغیر وجود میں لانے کی صلاحیت رکھتی ہے اس لیے یہ اس کے لئے بہت آسان ہے۔ اس کو وجود میں لانا اس سے زیادہ مشکل نہیں جو اس سے قبل اس کو وجود میں لایا تھا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً﴾ ”ذکر کیا نے کہا: اے رب! ٹھہرا دے میرے لیے کوئی نشانی“، یعنی جس سے میرا دل مطمئن ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر میں شک نہیں بلکہ یہ ویسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی تھی ﴿رَبِّ اَرِنِیْ کَیۡفَ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی قَالَ اَوْ لَمْ تُؤْمِنۡ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنۡ لَّیَظْمِنُ قَلْبِیْ﴾ (البقرہ: ۲۶۰/۲) ”اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کرے گا؟“ فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کی کیوں نہیں، مگر یہ اس لئے پوچھا ہے تاکہ اطمینان قلب حاصل ہو۔ پس ان کو اپنے علم میں اضافہ کی طلب تھی انہیں علم الیقین کے بعد عین الیقین کے مقام پر پہنچنے کی خواہش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے ان کی دعا قبول فرمائی۔ ﴿قَالَ اٰیَتُكَ اَلَا تُکَلِّمُ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِيًّا﴾ ”فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو بات نہیں کرے گا

لوگوں سے تین رات تک صحیح تندرست ہوتے ہوئے۔“ ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿اَلَا تُکَلِّمُ النَّاسَ



**ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ الْكَرَّمَا** ﴿ال عمران: ۱۶۳﴾ ”تو بات نہیں کرے گا تین دن تک، مگر اشارے سے“ دونوں کا معنی ایک ہے کیونکہ کبھی رات سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی دن سے، دونوں کا مقصد ایک ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعجب خیز نشانیوں میں سے ہے کیونکہ تین دن تک بغیر کسی بیماری اور نقص کے اور بغیر گونگا ہوئے بلکہ صحیح سلامت حالت میں بولنے سے عاجز ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے جو فطرت کے قوانین عادیہ کو توڑ سکتی ہے۔ بایں ہمہ حضرت زکریا علیہ السلام صرف اس کلام سے عاجز تھے جس کا تعلق انسانوں سے ہے۔ تسبیح اور ذکر وغیرہ سے یہ چیز مانع نہ تھی۔ بناء بریں ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ كُنَّا نَبِيًّا وَكَشِيرًا وَسَبَّحْتَ بِأَلْحَمْدِ وَالْبُكَارِ﴾ ﴿ال عمران: ۴۱﴾ ”نہایت کثرت سے صبح و شام اپنے رب کا ذکر اور تسبیح کر۔“ پس ان کا دل مطمئن ہو گیا اور وہ اس عظیم بشارت سے خوش ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی عبادت اور ذکر کے ذریعے سے اس کا شکر ادا کیا۔ پس وہ اپنی محراب میں معتکف ہو گئے اور وہاں سے وہ اپنی قوم کے سامنے آئے ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ﴾ اور انہیں حکم دیا یعنی اشارے اور رمز کے ساتھ: ﴿أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ ”صبح اور شام اللہ کی پاکیزگی بیان کرو“ کیونکہ یحییٰ علیہ السلام کی بشارت تمام لوگوں کے حق میں دینی مصلحت تھی۔

يُحْيِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۖ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ  
(اللہ نے فرمایا) اے یحییٰ! پکڑ کتاب کو ساتھ قوت کے اور دیا ہم نے اسے حکم بچپن ہی میں ○ اور (دی ہم نے) شفقت اپنی طرف سے اور پاکیزگی،  
وَكَانَ تَقِيًّا ۖ وَبَرًّا بِوَالَدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۖ وَسَلَّمٌ عَلَيْهِ  
اور تھا وہ نہایت پرہیزگار ○ اور نیکی کرنے والا ساتھ اپنے ماں باپ کے، اور نہیں تھا وہ سرکش، نافرمان ○ اور سلام ہے اس پر  
يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۖ  
جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ اٹھایا جائے گا زندہ کر کے ○

گذشتہ کلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ان کے شباب اور ان کی تربیت پر دلالت کرتا ہے۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام اس عمر کو پہنچ گئے جس عمر میں خطاب سمجھ میں آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ قوت یعنی کوشش اور اجتہاد کے ساتھ کتاب اللہ کو پکڑے رکھیں یعنی اس کے الفاظ کی حفاظت اس کے معانی کے فہم اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل میں پوری کوشش اور اجتہاد سے کام لیں..... یہ ہے کتاب اللہ کو کامل طور پر پکڑنا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی انہوں نے کتاب اللہ کی طرف توجہ کی اسے حفظ کیا اور اس کا فہم حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی ذہانت و فطانت عطا کی جو کسی اور میں نہ تھی اس لئے فرمایا: ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ ہم نے اسے بچپن ہی سے احکام الہی اور ان کی حکمتوں کی معرفت سے نوازا نیز ﴿وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ ”اور شفقت اپنی طرف سے“ یعنی رحمت اور رافت عطا کی جس کی بنا پر ان کے تمام امور آسان ہوئے ان کے احوال کی اصلاح ہوئی اور

ان کے تمام اعمال درست ہوئے۔ ﴿وَزَكَوٰٓءُ﴾ ”اور سترائی“ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں اور آفات سے پاک کیا۔ پس ان کا قلب پاک اور ان کی عقل صیقل ہو گئی اور یہ چیز تمام اوصاف مذمومہ اور اخلاق قبیحہ کے زائل ہونے اور اوصاف محمودہ اور اخلاق حسنہ میں اضافے کو متضمن ہیں۔

﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ ”اور تھے وہ پرہیزگار“ یعنی مامورات کی تعمیل کرنے والے اور محظورات کو ترک کرنے والے تھے اور جو کوئی مومن اور متقی ہے وہ اللہ کا ولی اور اہل جنت میں سے ہوتا ہے وہ جنت جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور مومن متقی کو دنیاوی اور اخروی ثواب حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ پر مرتب کر رکھا ہے۔

﴿وَبِآٓءِ الْاٰلِدِيْهِ﴾ ”اور تھے وہ نیکی کرنے والے اپنے ماں باپ کے ساتھ“ نیز یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے یعنی ان کی نافرمانی کرنے والے اور ان کے ساتھ برائی سے پیش آنے والے نہ تھے بلکہ وہ قول و فعل کے ذریعے سے اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے تھے۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ ”اور نہ تھے وہ سرکش خود سر“ یعنی وہ تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی کرنے والے نہ تھے اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے بڑا سمجھتے تھے نہ اپنے والدین سے بلکہ وہ متواضع عاجز، مطیع اور ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والے تھے۔ پس وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والے تھے اس لئے ان کو اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی حاصل تھی۔

﴿وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ ”اور سلام ہو ان پر جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑے ہوں گے زندہ ہو کر“ اور یہ ارشاد ان تینوں احوال میں شیطان اس کے شر اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی کا تقاضا کرتا ہے نیز اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جنم اور اس کی ہولناکیوں سے محفوظ اور اصحاب دار السلام میں سے ہیں..... اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں آپ پر آپ کے والد پر اور تمام انبیاء و مرسلین پر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے متبعین میں شامل کرے وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت کرم کرنے والا ہے۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذْ اُنْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝۱۵ ۱۵

اور ذکر کیجئے کتاب میں مریم کا، جب علیحدہ ہوئی وہ اپنے گھر والوں سے ایسے مکان میں جو مشرقی جانب تھا ○ پھر بنا لیا مریم نے

مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَارْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَمَثَلَلَهَا بِبَشَرًا سَوِيًّا ۝۱۶

انکے آگے سے ایک پردہ پس بھیجا ہم نے اس کی طرف اپنی روح کو، موشکل اختیار کی اس نے مریم کے سامنے ایک آدمی کامل کی ○

قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ تَقِيًّا ۝۱۷ ۱۷

کہا مریم نے، بلاشبہ میں پناہ پکڑتی ہوں رحمن کے ساتھ، تجھ سے، اگر ہے تو ڈرنے والا ○ اس نے کہا، یقیناً میں بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا،

لَا هَبْ لَكَ غُلَمًا زَكِيًّا ۝۱۸ ۱۸

تاکہ عطا کروں تجھے (اللہ کے حکم سے) ایک لڑکا پاکیزہ ○ مریم نے کہا، کیسے ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں چھو مجھے کسی بشر نے، اور نہیں ہوں میں



بَغْيًا ۱۰ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْنٍ ۖ وَلَنَجْعَلَ لَآيَةً لِّلنَّاسِ

بکار فرشتے نے کہا، اسی طرح ہے (تو پوچھنے کی) کہا ہے تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے، اور تاکہ بنائیں ہم سے ایک نشانی لوگوں کے لیے

وَرَحْمَةً مِنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۱۱

اور رحمت اپنی طرف سے اور ہے (یہ) معاملہ طے شدہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر کیا اور یحییٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد..... کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ہے..... ایک اور قصہ بیان فرمایا جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف تدریج ہے۔ ﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ﴾ اور ذکر کتاب میں، یعنی قرآن کریم میں ﴿مَرْيَمَ﴾ مریم علیہا السلام کا۔ یہ مریم علیہا السلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے کہ کتاب عظیم میں ان کا نام مذکور ہے جس کی مشرق و مغرب کے تمام مسلمان تلاوت کرتے ہیں۔ اس کتاب عظیم میں بہترین پیرائے میں ان کا ذکر اور ان کی مدح و ثنائیاں کی گئی ہے یہ ان کے اچھے اعمال اور کوشش کامل کی جزا ہے، یعنی کتاب عظیم میں حضرت مریم علیہا السلام کے بہترین حال کا ذکر کیجئے۔ جب ﴿انْتَبَذَتْ﴾ ”وہ جدا ہوئی“، یعنی جب مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ﴿مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ مشرقی جانب ایک مکان میں گوشہ نشین ہو گئی تھیں۔ ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا﴾ ”پھر پکڑ لیا ان سے ورے ایک پردہ“ یعنی ایک پردہ ڈال لیا تھا جو لوگوں کی ملاقات سے مانع تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام کا گوشہ نشین ہونا، پردہ لٹکا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے الگ تھلگ ہو جانا، اخلاص، خشوع و خضوع اور اللہ تعالیٰ کے لئے تذلل کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت دراصل اس ارشاد الہی کی تعمیل ہے۔ ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يَمْرُؤُا اقْنَبِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ (ال عمران: ۴۲/۴۳) ”جب فرشتوں نے (جناب مریم سے) کہا اے مریم! اللہ نے تجھے چن لیا، تجھے پاکیزگی عطا کی اور تجھے تمام جہانوں کی عورتوں پر ترجیح دے کر چن لیا۔ اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کر اس کے حضور سجدہ ریز ہو اور جھکنے والوں کے ساتھ تو بھی جھک۔“

﴿فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا﴾ ”پس بھیجی ہم نے ان کی طرف اپنی روح“، یہاں روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ ”پس وہ ان کے سامنے پورا آدمی بن کر آیا“، یعنی ایک خوبصورت اور حسین و جمیل مرد کی شکل میں ظاہر ہوئے، جس میں کوئی عیب تھا نہ نقص، کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی تحمل نہ تھیں۔ جب مریم علیہا السلام نے جبریل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا، جبکہ وہ اپنے گھر سے علیحدہ اور لوگوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئی تھیں اور عزیز ترین لوگوں، یعنی اپنے گھر والوں سے بھی پردہ کر لیا تھا..... تو ڈر گئیں کہ وہ مرد ہے کہیں وہ ان کے بارے میں کوئی برا ارادہ نہ رکھتا ہو اور کہیں وہ ان کے ساتھ برائی سے پیش نہ

آئے تو انہوں نے اس سے اللہ کی پناہ مانگی اور اس سے کہنے لگیں: ﴿إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ﴾ ”میں رحمن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے“، یعنی میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں اور اس کی رحمت کے سائے میں آتی ہوں کہ کہیں تو مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ ﴿إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ ”اگر تم متقی ہو۔“، یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو اور اس کے تقویٰ کے مطابق عمل کرتے ہو تو مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو۔

حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی اور ساتھ ساتھ اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرایا اور اسے التزام تقویٰ کا حکم دیا جبکہ وہ تنہائی کی حالت میں تھیں، جو ان تھیں اور لوگوں سے الگ تھلگ تھیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام بھی بشریت کے کامل روپ اور حیران کن حسن و جمال میں ظاہر ہوئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کوئی تعرض کیا نہ کوئی ان سے بری بات کہی..... یہ تو حضرت مریم علیہا السلام کا خوف تھا اور یہ عفت کے بلند ترین درجے، شر اور اس کے اسباب سے بعد کی دلیل ہے۔ یہ عفت..... خاص طور پر جبکہ تمام اسباب جمع ہوں اور گناہ سے کوئی مانع بھی موجود نہ ہو..... بہترین عمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ستائش کی۔ فرمایا: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا﴾ (التحریم: ۱۲/۶۶) ”اور مریم بنت عمران، جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی، ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔“ اور فرمایا: ﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء: ۹۱/۲۱) ”اور وہ (مریم علیہا السلام) جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی، ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، پھر اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہانوں کے لئے نشانی بنا دیا۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی عفت کے عوض انہیں ایک بیٹا عطا کیا جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے رسولوں میں سے ایک رسول تھا۔ جب جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی گھبراہٹ اور ان کا خوف دیکھا تو انہوں نے کہا: ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ﴾ ”میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں“، یعنی میرا کام اور میرا شغل تو آپ کے بارے میں اپنے رب کے حکم کو نافذ کرنا ہے۔ ﴿لَا هَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ ”تا کہ دے جاؤں میں آپ کو ایک لڑکا ستھرا“، یہ بیٹے اور اس کی پاکیزگی کی بہت بڑی بشارت ہے کیونکہ پاکیزگی تمام خصائل مذمومہ سے تطہیر اور اوصاف حمیدہ سے متصف ہونے کو مستلزم ہے۔ پس حضرت مریم علیہا السلام باپ کے بغیر بیٹے کے وجود پر بہت متعجب ہوئیں اور کہنے لگیں: ﴿أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾ ”کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا اور نہیں چھو مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار بھی نہیں ہوں“ اور بیٹے کا وجود اس کے بغیر ممکن نہیں۔ ﴿قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَى هَدًى وَلَنَجْعَلَنَّهُ آيَةً لِلنَّاسِ﴾ ”جبریل نے کہا: یوں ہی ہے آپ کے رب نے کہا، یہ مجھ پر آسان ہے اور چاہتے ہیں ہم کہ بنائیں اس کو لوگوں کے لیے نشانی“، کہ وہ نشانی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرے نیز اس امر پر بھی کہ اسباب کی کوئی مستقل تاثیر نہیں ان میں تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کی



تقدیر سے ہے۔ پس وہ اپنے بندوں کو بعض اسباب کے خلاف خارق عادت واقعات کا مشاہدہ کراتا ہے تاکہ وہ اسباب پر نہ ٹھہر جائیں اور مسبب الاسباب اور ان کو مقدر کرنے والی ہستی کے افعال میں غور و فکر ترک نہ کریں۔ ﴿وَرَحْمَةً مِنَّا﴾ اور اپنی طرف سے رحمت“ تاکہ ہم اس کو خود اس کے لئے اس کی والدہ کے لئے اور تمام لوگوں کے لئے رحمت بنائیں۔

ان کا خود اپنے لئے رحمت ہونا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی کے لئے مختص کیا اور آپ کو اپنی عنایات سے نوازا جس طرح اس نے اولوالعزم انبیاء و مرسلین کو نوازا۔ آپ کی والدہ کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی والدہ کو فخر، ثنائے حسن اور بڑے بڑے اخروی فوائد حاصل ہوئے۔ لوگوں کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے ان کے اندر اپنا رسول مبعوث کیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ﴿وَكَانَ امْرَأًا مَّقْضِيًّا﴾ اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس حالت میں وجود میں آنا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے اور اس کی تقدیر کا نافذ ہونا ایک لابدی امر تھا۔ پس جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری۔

فَصَلَّتْهُ فَأَنْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝۲۱ فَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جَنْعِ النَّخْلَةِ ۝

پس حاملہ ہو گئی وہ ساتھ اس کے، پھر الگ ہو گئی وہ ساتھ اس کے ایک مکان دور والے میں ۝۲۱ پس لے آیا اس (مریم) کو درزہ طرف تنے کو کھجور کے،

قَالَتْ يَلَيْتَنِي مَثٌ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَّنْسِيًّا ۝۲۲ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا ۝

تو اس نے کہا، اے کاش! میں مرجاتی پہلے اس سے اور ہو جاتی بھولی بیری ۝۲۲ پس آواز دی فرشتے نے اسے، اس کے نیچے سے،

اَلَا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝۲۳ وَهَزَمِيَ إِلَيْكَ بِجَنْعِ النَّخْلَةِ تَسْقُطُ ۝

یہ کہ نہ غم کھا تو، تحقیق (جاری) کر دیا ہے تیرے رب نے تیرے نیچے سے، ایک چشمہ ۝ اور تو بلا اپنی طرف تنے کو کھجور کے، وہ گرائے گا

عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا ۝۲۴ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۝ فَمَا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۝

تجھ پر کھجور (عمدہ) تازہ پکی ہوئی ۝ سو تو کھا اور پی اور ٹھنڈی کر آنکھیں (اپنی)، پس اگر دیکھے تو آدمیوں میں سے کسی کو

فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝۲۵

تو کہہ دینا، بے شک میں نے نذر مانی ہے رحمن کے لیے روزے کی، پس ہرگز نہیں کلام کروں گی میں آج کسی انسان سے (بھی) ۝

جب حضرت مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا تو وہ فضیحت اور رسوائی کے خوف سے لوگوں سے دور چلی گئیں ﴿مَكَانًا

قَصِيًّا﴾ ”دور جگہ“ جب بچہ جننے کا وقت قریب آیا تو زچگی کی تکلیف نے ان کو کھجور کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

جب حضرت مریم علیہا السلام کو زچگی کی تکلیف برداشت کرنا پڑی، کھانے پینے کی عدم موجودگی کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور سب سے بڑی بات یہ کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں اور طعنوں سے دلی صدمہ پہنچا اور انہیں خوف ہوا کہ کہیں صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے..... تو انہوں نے تمنا کی کہ کاش وہ اس حادثہ سے پہلے ہی مر گئی ہوتیں، ان کو بھلا دیا جاتا اور ان کا کہیں تذکرہ تک نہ ہوتا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی یہ تمنا ان کی گھبراہٹ کی بنا پر تھی اور اس آرزو اور تمنا میں ان کے لئے کوئی بھلائی تھی نہ مصلحت۔ بھلائی اور مصلحت تو صرف تقدیر کے مطابق اس چیز میں تھی جو انہیں حاصل ہوئی۔ اس وقت فرشتے نے ان کے دل کو تسلی دی اور اسے ثبات عطا کیا اور فرشتے نے ان کو نیچے سے پکارا۔ شاید یہ جگہ جہاں سے فرشتے نے پکارا تھا، حضرت مریم علیہا السلام کی جگہ سے زیادہ نیچے تھی۔ فرشتے نے کہا: مت گھبرا اور نہ غم کر ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾ ”تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔“ یعنی تیرے نیچے نہر جاری کر دی ہے جس سے تو پانی پئے گی۔

﴿وَهَٰذَا نَبِيُّ الْبَيْتِ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ تُلْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِينًا﴾ ”اور ہلا اپنی طرف کھجور کا تنا“ اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں، یعنی تازہ لذیذ اور فائدہ بخش کھجوریں۔ ﴿فَكُنِي﴾ یعنی کھجوریں کھا ﴿وَاشْرَبِي﴾ ”(اور اس نہر کا) پانی پی۔“ ﴿وَقَوِي عَيْنًا﴾ ”(اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ دیکھ کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔“ یہ زچگی کی تکلیف سے سلامتی اور لذیذ خوشگوار ماکول و مشروب کی فراہمی کے پہلو سے، حضرت مریم علیہا السلام کے لئے اطمینان تھا۔ رہی لوگوں کی باتیں اور ان کے طعنے، تو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ وہ جب کسی آدمی کو دیکھیں تو اشارے سے اسے بتائیں: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا﴾ ”میں نے نذر مانی ہے رُحْمٰن کے لیے روزے کی، یعنی خاموش رہنے کی۔“ ﴿فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا﴾ ”پس میں آج بات نہیں کروں گی کسی آدمی سے،“ یعنی ان سے بات چیت نہ کرنا، تاکہ تم ان کی باتوں سے بچ سکو۔ ان کے ہاں معروف تھا کہ خاموشی ایک عبادت مشروعہ ہے۔

ان کو اپنی طرف سے اس معاملے کی نفی کے سلسلے میں لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ لوگ اس کو تسلیم نہیں کریں گے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے، نیز یہ کہ ان کی براءت کا اظہار پنگوڑے کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے ہونا ان کی براءت کی سب سے بڑی شہادت بن جائے کیونکہ عورت کا شوہر کے بغیر کسی بچے کو جنم دینا اور پھر اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ بچہ کسی مرد کے چھوئے بغیر ہے، سب سے بڑا دعویٰ ہے۔ اگر اس دعویٰ کی تائید میں متعدد گواہ بھی موجود ہوں تب بھی اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اس خارق عادت واقعہ کی تائید کے لئے اسی جیسا ایک اور خارق عادت واقعہ پیش آیا اور وہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی انتہائی چھوٹی عمر میں کلام کرنا، بناء بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:



فَآتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحِيْلَهُ ط قَالُوا يَمْرِيْمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝۱۹ يَأْخُذَ هَرُونَ

پس لے آئی مریم اس (بچے) کو اپنی قوم کے پاس اسے اٹھائے ہوئے، انہوں نے کہا اے مریم! تحقیق کیا ہے تو نے کام بہت برا O اے بہن ہارون کی!

مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۝۲۰ فَاشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ

نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار O پس مریم نے اشارہ کیا اس (بچے) کی طرف، انہوں نے کہا: کیسے

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝۲۱ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۝۲۲ اَتْنِنِ الْكِتٰبَ وَجَعَلْنِیْ

کلام کریں ہم اس سے جو ہے گود میں بچہ؟ O بچے نے کہا، بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے دی ہے مجھے کتاب اور اس نے بنایا ہے مجھے

نَبِيًّا ۝۲۳ وَجَعَلْنِیْ مُبْرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۝۲۴ وَاصْنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ

نبی O اور اس نے بنایا ہے مجھے بابرکت جہاں کہیں بھی میں ہوں، اور اس نے وصیت کی ہے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی، جب تک میں رہوں

حَیًّا ۝۲۵ وَبَرَآءًا بِوَالِدَتِیْ ۝۲۶ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۲۷ وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وُلِدْتُ

زندہ O اور (بنایا مجھے) نیکی کرنے والا ساتھ اپنی والدہ کے اور نہیں بنایا اس نے مجھے سرکش، بد بخت O اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا

وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۝۲۸

اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا زندہ کر کے O

یعنی جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے نفاس سے پاک ہوئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنی قوم میں تشریف لائیں چونکہ انہیں اپنی براءت اور اپنی طہارت نفس کا علم تھا اس لئے انہوں نے کسی کی پروا نہ کی۔ لوگوں نے باتیں بناتے ہوئے کہا: ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا﴾ ”تو نے بڑا عجیب کام کیا“، یعنی بہت نازیبا کام اس سے ان کی مراد زنا تھا..... حالانکہ وہ اس سے پاک تھیں۔

﴿يَأْخُذَ هَرُونَ﴾ ”اے ہارون کی بہن۔“ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا کوئی حقیقی بھائی تھا جس کی طرف ان کو منسوب کیا گیا۔ وہ انبیاء کے نام پر نام رکھا کرتے تھے۔ یہ ہارون، موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون بن عمران علیہ السلام نہیں ہیں کیوں کہ ان دونوں کی درمیان بہت صدیوں کا فاصلہ ہے۔ ﴿مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا﴾ ”تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدکار“، یعنی تمہارے والدین بہت نیک اور برائی سے بچے ہوئے تھے خاص طور پر اس برائی سے جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے، محفوظ تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تو نے کیونکر اس فعل بد کا ارتکاب کیا جس سے تمہارے والدین محفوظ تھے اور یہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ غالب حالات میں نیکی اور بدی کے معاملے میں اولاد اپنے والدین سے اثر پذیر ہوتی ہے چنانچہ لوگوں کو ان کے دلوں میں جو بات راسخ تھی اس کی وجہ سے تعجب ہوا کہ حضرت مریم علیہا السلام سے اس فعل بد کا کیسے ارتکاب ہو گیا؟ پس حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو اور انہوں نے اس لیے اس طرف

اشارہ کیا کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ جب لوگ ان سے مخاطب ہوں تو تم کہہ دینا: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾ ”میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔“ جب انہوں نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے کلام کریں تو لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور انہوں نے کہا: ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْهَيْدِ صَبِيًّا﴾ ”ہم کیوں کر کلام کریں اس سے کہ ہے وہ گود میں بچہ“ کیونکہ یہ عام طور پر عادت جاری نہیں اور نہ کسی نے اس عمر میں کلام کیا ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پنگوڑے میں سے بولے: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ ”بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں“ آپ علیہ السلام نے ان کو اپنے وصف عبودیت سے آگاہ فرمایا اور ان پر واضح کیا کہ وہ کسی ایسی صفت کے حامل نہیں جو انہیں الوہیت یا اللہ کا بیٹا ہونے کا مستحق بنادے۔ اللہ تعالیٰ ان عیسائیوں کے قول سے بالا و برتر ہے۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قول: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ ”میں اللہ کا بندہ ہوں۔“ کی صریحاً مخالفت کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کی موافقت کرتے ہیں۔ ﴿أَتَشْفِي الْكَلْبَ﴾ ”دی اس نے مجھے کتاب“ یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھے کتاب عطا کرے گا ﴿وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ ”اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب کی تعلیم دی اور انہیں جملہ انبیاء میں شامل کیا اور یہ ان کا کمال نفس ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے دوسروں کی تکمیل کا ذکر فرمایا: ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ ”اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ بھی میں ہوں“ یعنی ہر جگہ اور ہر زمانے میں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلائی کی تعلیم بھلائی کی طرف دعوت شر سے ممانعت اپنے اقوال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی دعوت کی توفیق عطا فرما کر باربرکت بنایا ہے لہذا جو کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت اختیار کرتا تھا وہ آپ کی برکت اور سعادت سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ ﴿وَأَوْصِيَنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ ”اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک ہوں میں زندہ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے حقوق ادا کرنے کی وصیت کی ہے جن میں سب سے بڑا حق نماز ہے اور بندوں کے حقوق پورا کرنے کی وصیت کی ہے جن میں سب سے زیادہ جلیل القدر حق زکوٰۃ ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں زندگی بھر یہ کام کرتا رہوں۔ پس میں اپنے رب کا حکم مانتا اس کی وصیت پر عمل کرتا اور اس کو نافذ کرتا رہوں گا نیز اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وصیت بھی کی ہے کہ میں اپنی ماں کی اطاعت کروں اس کے ساتھ خوب احسان کروں اور اس کے حقوق پورے کروں کیونکہ اسے شرف اور فضیلت حاصل ہے نیز وہ ماں ہے اس لئے وہ جہنم دینے کی بنا پر مجھ پر ولادت کا حق اور اس کے تابع دیگر حقوق رکھتی ہے۔

﴿وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا﴾ ”اور نہیں بنایا اس نے مجھے سرکش“ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے حضور تکبر کرنے والا اور

بندوں سے اپنے آپ کو بڑا اور بلند سمجھنے والا نہیں ہوں۔ ﴿شَقِيًّا﴾ ”یعنی میں دنیا و آخرت میں بد بخت نہیں ہوں۔“



بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا اطاعت شعار اپنے سامنے بھکنے والا عاجزی اور تذلل اختیار کرنے والا اللہ کے بندوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنے والا اور دنیا و آخرت میں سعادت سے بہرہ مند ہونے والا بنایا۔ مجھے بھی اور میرے پیروکاروں کو بھی۔ پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمال اور ان کے قابل ستائش خصال کی تکمیل ہو گئی تو انہوں نے فرمایا: ﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر، یعنی میرے رب کے فضل و کرم سے جس روز میری ولادت ہوئی، جس روز میں مروں اور جس روز مجھے اٹھایا جائے گا، مجھے ہر قسم کے شر، شیطان اور عذاب سے سلامتی حاصل ہے۔ یہ سلامتی ہر قسم کے خوف، فاجروں کے گھر سے سلامتی اور دارالسلام کے مستحق ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ پس یہ ایک عظیم معجزہ اور اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ درحقیقت اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔

ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿۳۱﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ

یہ ہے عیسیٰ بن مریم، بات حق کی، وہ جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں ○ نہیں ہے لائق واسطے اللہ کے، یہ کہ بنائے وہ

مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّهُ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۲﴾

کوئی اولاد، پاک ہے وہ، جب فیصلہ کرتا ہے وہ کسی کام کا تو صرف یہی کہتا ہے اس کے لیے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ○

وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۳۳﴾

اور بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب، سو تم اسی کی عبادت کرو، یہی ہے راہ سیدھی ○

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان صفات سے متصف ہیں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں بلکہ یہ قول حق اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس سے زیادہ سچی اور اچھی کسی اور کی بات نہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت دی ہوئی خبر، علم یقینی ہے اور اس کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ قطعی طور پر باطل ہے۔ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قائل کا محض شک ہے جو علم سے بے بہرہ ہے اس لئے ارشاد فرمایا: ﴿الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ﴾ جس میں لوگ جھگڑتے ہیں، یعنی شک کرتے ہیں اور شک کی بنیاد پر جھگڑتے اور اندازوں کی بنیاد پر بحث کرتے ہیں..... ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں یا تین میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی افتراء پر دازی سے بہت بلند اور بالاتر ہے۔

﴿مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ﴾ نہیں لائق اللہ کے کہ پکڑے وہ اولاد، یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں، کیونکہ یہ ایک امر محال ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل ستائش ہے وہ تمام مملکتوں کا مالک ہے۔ پس وہ اپنے بندوں اور غلاموں کو کیسے اولاد بنا سکتا ہے؟ ﴿سُبْحَنَهُ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر نقص اور بیٹے کی حاجت سے

پاک اور مقدس ہے۔ ﴿اِذَا قُضِيَ اَمْرًا﴾ یعنی جب بھی اللہ تعالیٰ چھوٹے یا بڑے معاملے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ معاملہ اس کے لئے مشکل اور ممتنع نہیں ہوتا۔ ﴿فَاَنبَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ”تو وہ صرف یہی کہتا ہے کہ ہو جا“ پس وہ ہو جاتا ہے“ جب اس کی قدرت اور مشیت تمام عالم علوی اور سفلی پر نافذ ہے تو اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ اور جب وہ کسی چیز کے وجود کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے (كُنْ) ”ہو جا“ (فَيَكُوْنُ) ”تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔“ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے وجود میں لانا کون سا مشکل کام ہے؟ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں آگاہ فرمایا کہ وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جس طرح دوسری مخلوق ہے۔ فرمایا: ﴿وَإِنَّ اَللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ﴾ ”بے شک اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا“ جس نے ہمیں پیدا کیا ہماری صورت گری کی ہم میں اس کی تدبیر نافذ ہوئی اور ہم میں اس کی تقدیر نے تصرف کیا۔ ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ ”پس تم اسی کی عبادت کرو“ یعنی عبادت کو صرف اسی کے لئے خالص کرو اور اس کی طرف انابت اور رجوع میں جدوجہد کرو۔ اس میں تو حیدر بو بیت اور تو حید الوہیت کا اقرار اور تو حیدر بو بیت کے ذریعے سے تو حید الوہیت پر استدلال ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ ”یہ ہے راستہ سیدھا“ یعنی یہی اعتدال کا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے کیونکہ یہ انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین کا راستہ ہے اس کے سوا ہر راستہ گمراہی کا راستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾  
 پھر اختلاف کیا (ان) گروہوں نے آپس میں پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا حاضری سے، بڑے دن (قیامت) کی ○  
 اَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصُرْ يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا لٰكِنَ الظَّالِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۶﴾  
 کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے وہ لوگ، جس دن وہ آئیں گے ہمارے پاس! لیکن (وہ) ظالم لوگ آج کے دن صریح گمراہی میں ہیں ○  
 جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا حال بیان فرما دیا جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں تو آگاہ فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر فرقے اور گروہ جو گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں اپنے اپنے طبقات کے اختلاف کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک گروہ افراط اور غلو میں مبتلا ہے تو دوسرا ان کی شان میں تنقیص اور تفریط کرنے والا ہے۔ پس ان میں سے کچھ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔ بعض ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں بعض کہتے ہیں وہ تین میں سے ایک ہیں بعض ان کو رسول بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ بہتان طرازی کرتے ہیں کہ وہ (معاذ اللہ) ولد الزنا ہیں..... مثلاً: یہودی وغیرہ۔ ان تمام گروہوں کے اقوال باطل اور ان کی آراء فاسد ہیں جو شک و عناد بے بنیاد شبہات اور انتہائی بودے دلائل پر مبنی ہیں۔ اس قبیل کے تمام لوگ انتہائی سخت و عید کے مستحق ہیں اسی لئے فرمایا: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ”پس ہلاکت ہے کافروں کے لیے“ جو اللہ اس کے رسول اور اس کی کتابوں کا انکار کرتے ہیں ان میں یہود اور



نصاری دونوں شامل ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کفریہ کلمات کہتے ہیں: ﴿مَنْ مَّشَهَدَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ ”بڑے دن کی حاضری سے“ یعنی قیامت کے روز جب اولین و آخرین سب حاضر ہوں گے زمین اور آسمانوں کے تمام رہنے والے خالق اور مخلوق موجود ہوں گے اس وقت بے شمار زلزلے ہوں گے اور اعمال کی جزا پر مشتمل ہولناک عذاب ہوں گے تب ان کا وہ سب کچھ ظاہر ہو جائے گا جو کچھ وہ چھپاتے یا ظاہر کیا کرتے تھے۔ ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُوتَنَّا﴾ ”کیا خوب وہ سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے جس دن آئیں گے وہ ہمارے پاس“ اس روز وہ خوب سنیں گے اور خوب دیکھیں گے۔ پس وہ اپنے کفر و شرک پر مبنی اقوال و نظریات کا اقرار کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾ (السجدة: ۱۲/۳۲) ”اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ پس ہمیں دنیا میں واپس بھیج تاکہ ہم نیک عمل کریں اب ہمیں یقین آ گیا۔“ پس قیامت کے روز اس حقیقت کا یقین آ جائے گا جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔

﴿لَكِنَّ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”لیکن ظالم لوگ آج صریح گمراہی میں ہیں۔“ اس گمراہی کا ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ بصیرت کے ساتھ حق کو پہچان کر عناد کی بنا پر روگردانی کرتے ہوئے گمراہ ہوئے ہیں اور کچھ لوگ حق و صواب کو پہچاننے کی قدرت رکھنے کے باوجود راہ حق سے بھٹک گئے اور اپنی گمراہی اور بد اعمالیوں پر راضی ہیں اور باطل میں سے حق کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ﴾ کہنے کے بعد کیسے فرمایا: ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور ﴿فَوَيْلٌ لَهُمْ﴾ نہیں فرمایا کیونکہ اس صورت میں ضمیر کا مرجع ”الاحزاب“ ہوتا اور ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کرنے والے گروہوں میں سے ایک گروہ حق و صواب پر تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا تھا: ”وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔“ پس وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی۔ یہ لوگ مومن ہیں اور اس وعید میں داخل نہیں ہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف کفار کو اس وعید کے ساتھ مختص فرمایا ہے۔

وَإِنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾

○ اور آپ ڈرائیں انہیں روز حسرت سے، جب فیصلہ کیا جائے گا (ہر) معاملے کا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ نہیں ایمان لاتے ○

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾

○ بلاشبہ ہم ہی وارث ہو گئے زمین کے اور ان کے جو اس پر (رہنے والے) ہیں، اور ہماری ہی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ○

کسی خوفناک معاملے میں ترہیب کے پہلو سے اس کی صفات بیان کر کے آگاہ کرنا ”انذار“ ہے۔ اور وہ معاملہ جس کے بارے میں بندوں کو سب سے زیادہ ڈرایا جانا چاہیے وہ ”حسرت کا دن“ ہے جب فیصلہ کیا جائے گا۔ پس اولین و آخرین ایک ہی جگہ اکٹھے کئے جائیں گے اور ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس

جو کوئی اللہ پر ایمان لایا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرتا رہا تو وہ ابدی سعادت سے بہرہ مند ہوگا اس کے بعد کبھی اسے بدبختی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا اور اس کے رسولوں کی پیروی نہ کی تو وہ بدبختی میں پڑے گا اور اس کے بعد نیک بختی اس کے حصے میں نہیں آئے گی اور اس نے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈال دیا۔ پس اس وقت حسرت اور ندامت سے دل پارہ پارہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کے استحقاق سے بڑھ کر کون سی حسرت ہو سکتی ہے جہاں دوبارہ عمل کرنے کے لئے واپسی ممکن نہ ہو اور دنیا میں دوبارہ آ کر اپنے احوال کے بدلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔

یہ سب کچھ انہیں پیش آئے گا مگر ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دنیا میں اس عظیم معاملے کے بارے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کے بارے میں انہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا اور اگر انہیں کبھی خیال آیا بھی ہے تو وہ بھی غفلت میں۔ غفلت نے ان کو گھیر رکھا ہے اور مدہوشی ان پر غالب ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں نہ اس کے رسولوں کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کی دنیا نے ان کو غافل کر دیا ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان ختم ہو جانے والی فانی شہوات حائل ہو گئیں۔

یہ دنیا اور اول سے لے کر آخر تک دنیا کی تمام چیزیں دنیا داروں کو چھوڑ جائیں گی اور وہ دنیا کو چھوڑ کر چل دیں گے اور زمین اور اس میں موجود تمام چیزوں کا وارث اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف لوٹائے گا اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ وہ ان اعمال میں خسارہ اٹھائیں گے یا نفع میں رہیں گے لہذا جو کوئی نیک کام کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کرنی چاہیے اور جس کے اعمال اس سے مختلف ہیں اسے اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝۳۱ اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ يَا بَتَ لِمَ

اور ذکر کیجئے کتاب میں ابراہیم کا، بے شک وہ تھا نہایت سچا، نبی ۝ جب اس نے کہا اپنے باپ سے، اے میرے باپ! کیوں

تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝۳۲ يٰ اَبَتَ اِنِّیْ قَدْ جَاۤءَنِیْ

عبادت کرتا ہے تو اس کی جوندہ سے اور نہ دیکھے اور نہ وہ کام آئے تیرے کچھ بھی ۝ اے میرے باپ! بے شک میں تحقیق آیا ہے میرے پاس

مِّنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يٰ اَتِكَ فَاتَّبِعْنِیْ اِهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۳۳ يٰ اَبَتَ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ

وہ علم جو نہیں آیا تیرے پاس، پس تو پیروی کر میری، میں بتاؤں گا تجھے راہ سیدھی ۝ اے میرے باپ! مت عبادت کر تو شیطان کی،

اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝۳۴ يٰ اَبَتَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّبْسُکَ عَذَابٌ

بلاشبہ شیطان ہے رحمن کا بہت نافرمان ۝ اے میرے باپ! بے شک میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ پہنچے تجھے عذاب

مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنُ لِلشَّیْطٰنِ وَلِيًّا ۝۳۵ قَالَ اَرَاغِبُ اَنْتَ عَنْ الْہٰٓقِیْ یٰ اِبْرٰهِيْمُ ؕ

رحمن کی طرف سے، پس ہو جائے تو شیطان کا دوست ۝ اس (آزر) نے کہا، کیا بے رغبتی کرتا ہے تو میرے معبودوں سے، اے ابراہیم؟



لَئِنْ لَّمْ تَنْتَه لَارْجُئْنَاكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿۳۶﴾ قَالَ سَلَّمَ عَلَيْكَ

البتہ اگر نہ باز آیا تو اس سے، تو البتہ ضرور سنگسار کر دوں گا میں تجھے، اور چھوڑ جائیجھے لمبا عرصہ ۰ ابراہیم نے کہا، سلام ہو تجھ پر

سَاَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِنِي حَفِيًّا ﴿۳۷﴾ وَأَعْتَزُّكُمْ وَمَا تَدْعُونَ

ضرور بخشش مانگوں گا تیرے لیے، اپنے رب سے، بلاشبہ ہے مجھ پر نہایت مہربان ۰ اور میں کنارہ کش ہوتا ہوں تم سے اور ان سے جنہیں تم پکارتے ہو،

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَادْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿۳۸﴾ فَلَمَّا

سوائے اللہ کے، اور میں پکارتا ہوں اپنے رب کو، امید ہے کہ نہیں ہوں گا میں پکار کر اپنے رب کو محروم ۰ پس جب

اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا

وہ کنارہ کش ہو گیا ان سے اور ان سے بھی جنکی وہ عبادت کرتے تھے سوائے اللہ کے، تو عطا کئے ہم نے اسے اسحق اور یعقوب اور ہر ایک کو

جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۳۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۴۰﴾

بنایا ہم نے نبی ۰ اور نوازا ہم نے انہیں اپنی رحمت سے اور کر دیا ہم نے انکے لیے سچائی کی زبان (ان کے ذکر خیر) کو بلند ۰

تمام کتابوں میں سب سے زیادہ جلیل القدر سب سے افضل اور سب سے زیادہ بلند مرتبہ والی کتاب یہ کتاب مبین اور ذکر حکیم یعنی قرآن مجید ہے۔ اگر اس میں خبریں بیان کی گئی ہیں تو یہ خبریں سب سے زیادہ سچی سب سے زیادہ حق اور سب سے زیادہ نفع مند ہیں۔ اگر اس میں اوامر و نواہی کا تذکرہ ہے تو یہ اوامر و نواہی سب سے زیادہ قدر و قیمت کے حامل اور سب سے زیادہ عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اگر اس میں سزا و جزا اور وعدے و وعید کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ سب سے زیادہ سچی خبر اور سب سے زیادہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے عدل و فضل پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے اور اگر اس میں انبیاء و مرسلین کا ذکر ہے تو اس میں مذکور یہ مقدس ہستیاں دیگر تمام لوگوں سے کامل اور افضل ہیں۔ بناء بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان انبیائے کرام کے واقعات بیان کئے ہیں اور ان کا بار بار اعادہ کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں پر فضیلت عطا کی اور انہیں قدر و منزلت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی محبت اس کی طرف انابت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس راستے میں اذیتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند درجات عطا کئے اور انہیں مقامات فاخرہ اور منازل عالیہ سے نوازا۔

پس اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کا ذکر فرمایا اور اپنے رسول (ﷺ) کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کا ذکر کریں کیونکہ ان کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ کی بھی تعریف ہے اور ان کی مدح ستائش کا اظہار اور ان پر اس کے فضل و کرم کا بیان بھی ہے نیز اس میں ان پر ایمان لانے، ان کے ساتھ محبت کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی ترغیب ہے۔ فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾ اور یاد کرو کتاب میں ابراہیم کو

بے شک وہ سچے نبی تھے۔“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیک وقت صدیقیت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ صدیق بہت راست باز شخص کو کہا جاتا ہے۔ پس وہ اپنے اقوال و افعال اور احوال میں سچا ہونے کے ساتھ ساتھ ہر اس چیز کی بھی تصدیق کرتا ہے جس کی تصدیق کا اس کو حکم دیا جاتا ہے اور یہ خوبی مستلزم ہے اس عظیم علم کو جو دل کی گہرائیوں تک پہنچتا اور اس پر اثر انداز ہوتا ہے، نیز یقین اور کامل عمل صالح کا موجب ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء و مرسلین میں افضل ہیں۔ وہ تمام اصحاب فضیلت و گروہوں کے تیسرے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذریت کو نبوت اور کتاب سے نوازا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی پھر اس راستے میں پیش آنے والی اذیتوں اور بڑی بڑی تعذیب پر صبر کیا۔ انہوں نے قریب اور بعید سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور اپنے باپ کو جیسے بھی ممکن ہوا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کی بھرپور جدوجہد کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بحث و مکرار کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے باپ سے کی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ﴾ ”جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے“، یعنی بتوں کی عبادت کی قباحت بیان کرتے ہوئے اپنے باپ سے کہا: ﴿يَا اَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْكَ عَنْكَ شَيْئًا﴾ یعنی آپ ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو اپنی ذات اور افعال میں ناقص ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں جو اپنے عبادت گزار کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، بلکہ وہ خود اپنے آپ کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنی ذات سے کوئی چیز دور ہٹانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ پس یہ اس حقیقت پر ایک روشن دلیل ہے کہ ایسی ہستی کی عبادت کرنا جو اپنی ذات اور اپنے افعال میں ناقص ہے، عقل اور شرع کے اعتبار سے فتنہ ہے۔ اس کی تنبیہ اور اس کا اشارہ دلالت کرتا ہے کہ عبادت صرف اسی ہستی کی واجب اور مستحسن ہے جو کمال کی مالک ہے جس کے سوا بندے کہیں سے نعمتیں حاصل نہیں کر سکتے، جس کے سوا کوئی اور ہستی ان سے کوئی تکلیف دور نہیں کر سکتی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔

﴿يَا اَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جِئْتُ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ﴾ یعنی ابا جان! مجھے حقیر نہ جانیں اور یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں اور یہ کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے وہ میرے پاس نہیں بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم عطا کیا ہے جو آپ کو عطا نہیں کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مقصد یہ کہنا تھا کہ ﴿فَاتَّبِعْنِيْ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ ”آپ میری پیروی کریں میں دکھلاؤں گا آپ کو سیدھا راستہ“، یعنی سیدھا اور معتدل راستہ اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمام احوال میں اس کی اطاعت کرنا۔ اس خطاب میں جو لطف و کرم اور جو نرمی ہے وہ مخفی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ”ابا جان میں عالم ہوں اور آپ جاہل ہیں“ یا ”آپ کے پاس کوئی علم نہیں“ آپ علیہ السلام نے اس پیرائے میں گفتگو فرمائی ”میرے پاس اور آپ کے پاس علم ہے مگر جو علم مجھ



تک پہنچا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچا، اس لئے آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ دلیل کی پیروی کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔“

﴿يَا بَتَّ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ﴾ ”ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کریں“ کیونکہ جس نے غیر اللہ کی عبادت کی اس نے شیطان کی عبادت کی جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰ بَنِي اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (یس: ۶۰، ۶۱) ”اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ ﴿اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾ ”بے شک شیطان رحمن کا نافرمان ہے“ پس جو کوئی شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہے وہ شیطان کا دوست اور شیطان کی مانند اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ یہاں نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمن) کی طرف مضاف کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نافرمانیاں بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں اور اس پر رحمت کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت رحمت الہی کے حصول کا سب سے بڑا سبب ہے اس لئے فرمایا: ﴿يَا بَتَّ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّمْسَكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ ”ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو کہیں رحمن کی طرف سے عذاب نہ آئے“ یعنی کفر پر آپ کے اصرار اور سرکشی میں آپ کے بڑھتے چلے جانے کے سبب سے۔ ﴿فَتَكُوْنُ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴾ ”پس آپ شیطان کے دوست ہو جائیں“ یعنی دنیا و آخرت میں۔ پس آپ اس کے مذموم مقام و منزلت پر اتار دیئے جائیں اور شیطان کی ضرر رساں اور گندی چراگاہ میں چریں۔

اور یوں حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنے باپ کو آسان سے آسان تر امر کی طرف دعوت دی۔ آپ نے اسے اپنے علم کے ذریعے سے بتایا کہ یہ چیز آپ پر میری اطاعت کی موجب ہے اگر آپ میری اطاعت کریں گے تو میں سیدھے راستے کی طرف آپ کی راہنمائی کروں گا پھر آپ نے اسے شیطان کی عبادت سے منع فرمایا اور اسے ان مضرتوں کے بارے میں خبردار کیا جو شیطان کی عبادت میں پنہاں ہیں پھر اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضی سے ڈرایا کہ اگر وہ اپنے اسی حال پر قائم رہا تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضی کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ شیطان کا دوست شمار ہوگا۔

مگر یہ دعوت اس بد بخت کے کسی کام نہ آئی۔ اس نے ایک جاہل کی مانند جواب دیا: ﴿اَرَاغِبُ اَنْتَ عَنِ الْهَقِّ يٰ اَبْرٰهِيْمُ﴾ ”اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے اعراض کرتا ہے؟“ اس نے اپنے معبودوں پر فخر کا اظہار کیا جو پتھر کے بنے ہوئے بت تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان معبودوں سے روگردانی کرنے پر ملامت کرنے لگا، یہ اس کی بہت بڑی جہالت اور بہت بڑا کفر تھا، وہ بتوں کی عبادت پر مدح چاہتا تھا اور اس عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ ﴿لٰكِنْ لَّمْ تَنْتَهُ﴾ ”یعنی اگر تو میرے معبودوں کو سب و شتم کرنے اور مجھے اللہ کی عبادت کی طرف

دعوت دینے سے باز نہ آیا ﴿لَا رَجُوتَكَ﴾ یعنی میں تجھے پھر مار مار کر قتل کر دوں گا ﴿وَاَنْجِزْنِي مَلِيًّا﴾ اور چھوڑ دے مجھ کو ایک مدت تک، یعنی طویل زمانے تک میرے ساتھ بات نہ کر۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنے باپ کو اس طرح جواب دیا جس طرح رحمن کے بندے جہلاء کو جواب دیتے ہیں۔ آپ اس سے سب و شتم سے پیش نہیں آئے بلکہ صبر سے کام لیا اور کوئی ایسی بات نہیں کہی جو باپ کو ناگوار گزرتی۔ فرمایا: ﴿سَلِّمْ عَلَيْكَ﴾ ”سلام آپ پر“ یعنی آپ میرے خطاب میں سب و شتم اور ناگوار باتوں سے محفوظ رہیں گے۔ ﴿سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾ یعنی میں آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا کہ وہ آپ کی اسلام کی طرف راہنمائی کرے جس کے ذریعے سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِنِي حَفِيًّا﴾ کیونکہ وہ میرے حال پر بہت رحیم اور مہربان ہے اور مجھے اپنے سایہ اعتناء میں رکھتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے دے گا، اپنے باپ کے لئے استغفار کرتے رہے پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کے لئے استغفار کرنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دی اور اس سے براءت کا اظہار کر دیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا ہے اور ان کی ملت کی پیروی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں ہم آپ کی راہ پر گامزن ہوں اور علم و حکمت اور نرم رویہ اپنائیں۔ دعوت الی اللہ میں تدریج اور ترتیب کا طریقہ اختیار کریں، اس پر صبر کریں اور اس سے ہرگز نہ اکتائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کو لوگوں کی طرف سے، جن قولی اور فعلی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر صبر کرے اور محفوزہ گزر، قولی اور فعلی حسن سلوک کے ساتھ ان اذیتوں کا مقابلہ کرے۔

جب ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم اور اپنے باپ کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو کہنے لگے: ﴿وَاَعَزَّ لَكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنَ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی میں تم سے اور تمہارے بتوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں ﴿وَادْعُوا رَبِّي﴾ اور میں یہ دعا کروں گا اپنے رب سے، یہ دعائے عبادت اور دعائے سوال دونوں کو شامل ہے

﴿عَسَى الْاَ اَكُوْنَ بِدُعَاۤءِ رَبِّي شَقِيًّا﴾ امید ہے کہ میں اپنے رب سے دعا کر کے محروم نہ رہوں گا، یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا اور اعمال کو قبول فرما کر مجھے سعادت سے نواز دے۔ یہ اس داعی حق کا وظیفہ ہے جو ایسے لوگوں سے مایوس ہو گیا تھا جن کو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی مگر وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے رہے اور وعظ و نصیحت نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور وہ اپنی سرکشی میں اصرار کے ساتھ سرگرداں رہے۔

جو کوئی اس قسم کی صورت حال میں مبتلا ہو جائے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہے اور اپنے رب سے امید رکھے کہ وہ اس کی کوشش کو قبول فرمائے گا اور وہ شر اور اہل شر سے دور رہے۔



انسان کے لئے اپنے وطن مالوف اپنے اہل و عیال اور اپنی قوم سے جدا ہونا سب سے مشکل اور سب سے زیادہ شاق گزرنے والا کام ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی وجہ سے باعزت اور کثرت والا ہوتا ہے اور جو کوئی اللہ کی خاطر کوئی چیز چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عوض اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا: ﴿فَلَبَّثَا اَعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْجُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا﴾ ”پس جب وہ (ابراہیم علیہ السلام) ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور سب کو۔“ حضرت اسحاق اور یعقوب علیہ السلام دونوں کو ﴿جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ ”ہم نے نبی بنایا۔“ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان تمام صالحین و مرسلین کو یہ شرف نبوت حاصل ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا انہیں اپنی وحی کے لئے مختص کیا انہیں اپنی رسالت کے لئے تمام جہانوں میں سے چن لیا۔ فرمایا ﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ﴾ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دونوں بیٹوں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو ﴿مِنْ رَّحْمَتِنَا﴾ ”اپنی رحمت سے نوازا۔“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے بہرہ ور کیا علوم نافذہ اور اعمال صالحہ عطا کئے اور انہیں بے شمار ذریت عطا کی جو ساری دنیا میں پھیلی اور ان کے اندر بکثرت انبیاء اور صالحین ہوئے۔

﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ ”اور ان کے ذکر جمیل کو بلند کیا۔“ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے ان کو بہرہ ور کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک کام کرنے والے ہر شخص سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی نیکی کے مطابق اسے سچی شہرت عطا کرے گا۔ ان کا شمار تو ائمہ محسنین میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں سچی جس میں جھوٹ کا شبابہ نہیں ظاہر و باہر اور غیر مخفی ثنائے حسن عطا کی۔ ان کے ذکر خیر ان کی ثنائے حسن اور ان کے ساتھ محبت نے مشرق و مغرب کو لبریز کر دیا ہے۔ خلائق کے دلوں میں ان کی محبت سا گئی لوگوں کی زبان پر ان کا ذکر اور ان کی مدح و ثنا جاری ہو گئی۔ وہ پیروی کرنے والوں کے قائد اور راہنمائی حاصل کرنے والوں کے راہ نمائین گئے۔ ہر زمانے میں ان کا ذکر خیر نئے نئے اسالیب میں لوگوں کی زبانوں پر جاری رہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝۵۱ وَ نَادٰىنِهٖ

اور ذکر کیجئے کتاب میں موسیٰ کا، بلاشبہ وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی ۵۱ اور پکارا ہم نے اسے

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهٗ نَجِيًّا ۝۵۲ وَ وَهَبْنَا لَهُ

طور کی دائیں جانب سے، اور قریب کیا ہم نے اسے سرگوشی کرنے کے لئے ۵۲ اور عطا کیا ہم نے اسے

مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هٰرُونَ نَبِيًّا ۝۵۳

اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی (بنا کر) ۵۳

یعنی اس قرآن عظیم میں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی تعظیم و توقیر ان کے مقام عالی قدر اور اخلاق کاملہ کی تعریف کے طور پر ان کا ذکر کیجئے۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا﴾ (مُخْلَصًا) کو لام کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، اسے پسند کر لیا اور اسے چن لیا۔ ایک دوسری قراءت میں (مُخْلَصًا) کو لام کی زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے تب اس کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تمام اعمال، اقوال اور نیت میں اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص تھے۔ ان کے تمام احوال میں اخلاص ان کا وصف تھا..... دونوں معنی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخلاص کی بنا پر ان کو چن لیا اور ان کا اخلاص اس بات کا موجب تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو چن لے اور بندہ مومن کا جلیل ترین حال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے لئے اخلاص کا حامل ہو اور اس کا رب اسے اپنے لئے چن لے۔

﴿وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں رسالت اور نبوت کو یکجا کر دیا۔ پس رسالت، بھیجنے والے کے کلام کی تبلیغ کا تقاضا کرتی ہے، نیز یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ شریعت کی جو بھی چھوٹی یا بڑی چیز آئی ہے اسے بندوں تک پہنچایا جائے..... اور نبوت اس بات کی مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر وحی آتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے وحی کی تنزیل کے لئے اسے مختص کر لیا ہو۔ پس نبوت کا تعلق بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے اور رسالت کا تعلق بندے اور مخلوق کے درمیان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی جلیل ترین اور سب سے افضل نوع کے ساتھ خاص فرمایا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام کرنا اور انہیں اپنی سرگوشی کے لیے اپنے قریب کرنا۔ انبیاء میں سے اس فضیلت کے ساتھ صرف موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا گیا کہ وہ رحمان کے کلیم ہیں۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب سے، جب وہ سفر کر رہے تھے ہم نے ان کو ندا دی۔ یا (الْأَيْمَنِ) سے مراد بابرکت ہے یعنی یہ (يُمْنٌ) ”برکت“ سے ہے اور اس معنی پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ ﴿أَنْ بَوِّدَكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (النمل: ۸/۲۷) ”بابرکت ہے وہ ہستی جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ارد گرد ہے۔“

﴿وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو سرگوشی کے لیے اپنے قریب کیا۔“ ندا اور مناجات میں فرق یہ ہے کہ ندا بلند آواز میں ہوتی اور مناجات اس سے کم تر دھیمی آواز میں ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی تمام انواع..... مثلاً ندا اور مناجات وغیرہ کا اثبات ہوتا ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جہمہ، معتزلہ اور ان کے ہم مسلک گروہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتے ہیں۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا﴾ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے اور ان کا اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خیر خواہی ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان



کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کی ذمہ داری میں شریک کر کے انہیں بھی ان کی مانند رسول بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو رسول بنا دیا..... پس ہارون علیہ السلام کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے تابع ہے حضرت ہارون علیہ السلام نبوت کے معاملات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور اعانت کرتے تھے۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمَاعِيْلَ ۚ اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝

اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کا، بلاشبہ وہ تھا سچا وعدے کا، اور تھا وہ رسول نبی ○

وَ كَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۖ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝

اور تھا وہ حکم کرتا اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا، اور تھا وہ نزدیک اپنے رب کے پسندیدہ ○

یعنی قرآن کریم میں اس عظیم نبی (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کا ذکر کیجئے جس سے عربی قبیلہ کی نسل چلی جو سب سے افضل اور جلیل قبیلہ ہے جس سے اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے۔ ﴿اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ یعنی وہ جو بھی وعدہ کرتے تھے اسے پورا کرتے تھے۔ اس میں وہ تمام وعدے شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کئے گئے اور جو بندوں سے کئے گئے..... اسی لئے جب ان کے والد نے ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ سے صبر کرنے کا وعدہ کیا چنانچہ انہوں نے اپنے والد سے کہا ﴿سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت: ۱۰۲، ۱۳۷) ”اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“ انہوں نے یہ وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے والد کو پورا اختیار دیا کہ وہ ان کو ذبح کریں جو کہ سب سے بڑی مصیبت ہے جو انسان کو پہنچ سکتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت اور نبوت سے متصف کیا جو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر سب سے بڑا احسان ہے..... اور انہیں مخلوق کے بلند ترین طبقے میں سے کیا۔

﴿وَ كَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ﴾ ”اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔“ یعنی اپنے گھر والوں پر اللہ کا حکم نافذ کرتے تھے۔ پس انہیں نماز کا حکم دیتے جو معبود کے لیے اخلاص کو متضمن ہے اور زکوٰۃ کا حکم دیتے جو بندوں کے ساتھ احسان کرنے کو متضمن ہے۔ یوں انہوں نے اپنے آپ کو بھی درجہ کمال پر پہنچایا اور دوسروں کو بھی کامل بنایا بالخصوص ان کو جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ ان کے نزدیک خاص تھے اور وہ ان کے اہل خانہ تھے کیونکہ وہ دوسروں کے مقابلے میں ان کی دعوت و تبلیغ کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔

﴿وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا﴾ اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے رب کی مرضیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور ایسے امور سر انجام دینے میں کوشاں رہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ اس نے ان کو اپنے خاص بندوں اور اولیائے مقربین میں سے کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِذْ رِيسُ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ وَرَفَعْنَهٗ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

اور ذکر کیجئے کتاب میں ادریس کا، بلاشبہ وہ تھا نہایت سچا، نبی ○ اور اٹھایا ہم نے اس کو مکان بلند میں ○  
یعنی اس کتاب کریم میں تعظیم و اجلال اور صفات کمال سے متصف ہونے کے اعتبار سے ادریس علیہ السلام کا ذکر کرو! ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیک وقت صدیقیت..... جو تصدیق تام، علم کامل، یقین ثابت اور عمل صالح کی جامع ہے..... اور اپنی وحی اور رسالت کے لئے چن لیا۔ ﴿وَرَفَعْنَهٗ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جہانوں میں ان کا ذکر اور مقربین کے درمیان ان کا درجہ بلند کیا۔ پس وہ ذکر کے لحاظ سے بھی بلند تھے اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی بلند۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا

یہ (مذکورہ) وہ لوگ ہیں کہ انعام کیا اللہ نے ان پر، نبیوں میں سے، اولاد آدم سے اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جنہیں اٹھایا (سوار کیا) تھا ہم نے

مَعَ نُوحٍ ذُوْ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَءٰٓئِلَ وَمِمَّنْ هَدٰىنَا وَاجْتَبٰىنَا ۚ اِذَا سَاطِحَ نُوْحٍ كَے، اور اولاد سے ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی، اور ان لوگوں میں سے کہ جنہیں ہدایت دی ہم نے، اور چن لیا ہم نے، جب

تُثَلِّىْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝

تلاوت کی جاتی تھیں ان پر آیتیں رحمن کی تو وہ گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ○

جب اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے مکرّمین اور خواص مرسلین کا ذکر فرمایا اور ان کے فضائل و مراتب کا تذکرہ کیا، تو فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی نعمت عطا کی ہے جسے کوئی اور حاصل نہیں کر سکتا، نبوت اور رسالت عطا کر کے ان پر ایسا احسان کیا ہے جس میں کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ان لوگوں کے راستے کی طرف ہماری راہنمائی کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، نیز یہ کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (النساء: ۶۹/۷۰) جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔

ان میں سے بعض ﴿مِّنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ﴾ ”آدم کی اولاد میں سے ہیں اور کچھ ان میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کر دیا۔“ یعنی نوح کی ذریت میں سے ہیں۔ ﴿وَمِمَّنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَءٰٓئِلَ﴾ یہ گھرانے دنیا کے تمام گھرانوں سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لئے پسند کر لیا اور چن لیا۔ جب ان کے سامنے رحمن کی وہ آیات تلاوت کی جاتی تھیں جو غیب کی خبروں، علام الغیوب کی صفات، روز آخرت کی خبروں اور وعد و وعید کو متضمن ہیں تو ان کا حال یہ ہوتا ہے۔ ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا وَبُكِيًّا﴾ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ



کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ ان آیات نے ان کے دلوں کو ایمان اور رغبت و رہبت سے لبریز کر دیا جو ان کے لئے آہ و بکا، انابت اور اپنے رب کے حضور سجدے کی موجب ہیں۔ وہ ان لوگوں کی مانند نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات سنتے ہیں تو ان پر اندھے بہرے بن کر رہ جاتے ہیں۔

آیات کی اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمان) کی طرف اضافت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اس کے بندوں پر اس کی رحمت اور احسان ہے کیونکہ اس نے آیات کے ذریعے سے ان کی حق کی طرف راہنمائی کی، ان کی کورنگاہی کو دور کر کے بصیرت سے نوازا، انہیں گمراہی سے بچایا اور جہالت کی تاریکیوں میں انہیں علم کی روشنی عطا کی۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَةَ فَسُوفَ

پھر جانشین ہوئے بعد ان کے ناخلف (برے) لوگ، ضائع کر دیا انہوں نے نمازوں کو اور پیروی کی انہوں نے خواہشات کی، پس غمگین

يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝۹ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ

ملیں گے وہ ہلاکت کو ۱۰ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیا اچھا تو یہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں،

وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝۱۰ جَنَّتٍ عَدْنٍ ۖ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۖ إِنَّهُ

اور نہ ظلم کئے جائیں گے وہ کچھ بھی ۱۱ (یعنی) باغات بیتیگی کے، وہ جن کا وعدہ کیا ہے (اللہ) رحمن نے اپنے بندوں سے بن دیکھے، بلاشبہ

كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۝۱۱ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا

ہے وعدہ اس کا (ہر صورت) آنے والا ۱۲ نہیں سنیں گے وہ اس جنت میں لغوات مگر سلام ہی اور ان کے لئے رزق ہوگا ان کا اس میں

بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝۱۲ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝۱۳

صبح اور شام ۱۳ یہی وہ جنت ہے جس کا وارث بنائیں گے ہم اپنے بندوں میں سے اس کو جو ہوگا پرہیزگار ۱۴

جب اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا جو مخلص اپنے رب کی رضا کی پیروی کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو ان کے بعد آئے اور انہوں نے ان امور کو بدل دیا جن کا ان کو حکم دیا گیا تھا، ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین بنے جو پیچھے لوٹ گئے۔ انہوں نے نماز کو ضائع کیا جس کی حفاظت اور اس کو قائم کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا، انہوں نے نماز کو حقیر سمجھا اور اسے ضائع کر دیا۔ جب انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا جو دین کا ستون، ایمان کی میزان اور رب العالمین کے لئے اخلاص ہے، جو سب سے زیادہ موکد عمل اور سب سے افضل خصلت ہے، تو نماز کے علاوہ باقی دین کو ضائع کرنے اور اس کو چھوڑ دینے کی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ شہوات نفس اور اس کے ارادوں کے پیچھے لگ گئے، اس لئے ان کی ہمتوں کا رخ ان شہوات کی طرف پھر گیا اور انہوں نے ان شہوات کو حقوق اللہ پر ترجیح

دی۔ یہیں سے حقوق اللہ کو ضائع کرنے اور شہواتِ نفس پر توجہ دینے نے جنم لیا۔ یہ شہواتِ نفس جہاں کہیں بھی نظر آئیں اور جس طریقے سے بھی بن پڑا انہوں نے ان کو حاصل کیا۔ ﴿فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ ”پس عنقریب ملیں گے وہ ہلاکت کو۔“ یعنی کئی گنا سخت عذاب۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے استثناء فرمایا ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ یعنی جس نے شرک، بدعات اور معاصی سے توبہ کر لی، ان کو ترک کر کے ان پر نادم ہوا اور دوبارہ ان کا ارتکاب نہ کرنے کا پکا عزم کر لیا ﴿وَاَمَنْ﴾ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز قیامت پر ایمان لایا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ”اور نیک عمل کیے۔“ اور عملِ صالح سے مراد وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر شروع فرمایا ہے جبکہ عمل کرنے والے کی نیت رضائے الہی کا حصول ہو۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ یعنی جس نے توبہ، ایمان اور عملِ صالح کو یکجا کر لیا ﴿يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ ”وہ جنت میں داخل ہوں گے۔“ جو ہمیشہ رہنے والی نعمتوں، ہر قسم کے تکدر سے سلامت زندگی اور رب کریم کے قرب پر مشتمل ہوگی۔ ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾ یعنی ان کے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کو ان کے اعمال کا کئی گنا زیادہ اجر ملے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ جنت جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے عام باغات کی مانند نہیں بلکہ وہ تو ﴿جَنَّتِ عَدْنٍ﴾ ”ہمیشہ قیام والی جنتیں ہیں“ جہاں نازل ہونے والے کبھی کوچ کریں گے نہ کہیں اور منتقل ہوں گے اور نہ ان کی نعمتیں زائل ہوں گی اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ جنتیں بہت وسیع ہوں گی اور ان میں بے شمار نعمتیں، مسرتیں، رونقیں اور خوش کن چیزیں ہوں گی۔

﴿الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادًا بِالْغَيْبِ﴾ یعنی جس کا رحمان نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو اپنے اسم مبارک (الرحمن) کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ ان میں ایسی رحمتیں اور ایسا حسن سلوک ہوگا کہ ان کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے تصور میں کبھی ان کا گزر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو اپنی رحمت سے موسوم فرمایا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ اَبٰیضَتْ وُجُوْهُهُمْ فَاِنَّ رَحْمَةً لِّلّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (ال عمران: ۱۰۷۳) ”اور جن کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف ان کی اضافت ان کی مسرتوں کے دوام پر دلالت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بقاء کے ساتھ یہ بھی باقی رہیں گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار اور اس کی موجبات میں شمار ہوتی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں (عباد) سے مراد اس کی الوہیت کے معتقد وہ بندے ہیں جو اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی شریعت کا التزام کرتے ہیں۔ پس عبودیت ان کا وصف بن جاتی ہے مثلاً (عباد الرحمن) وغیرہ



بخلاف ان بندوں کے جو ملک کے اعتبار سے تو اس کے بندے ہیں مگر اس کی عبادت نہیں کرتے۔ یہ بندے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے بندے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا وہ ان کو رزق عطا کرتا ہے اور ان کی تدبیر کرتا ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بندے نہیں اور اس کی عبودیت اختیاری کے تحت نہیں آتے جس کو اختیار کرنے والا قابلِ مدح ہے۔ ان کی عبودیت تو عبودیتِ اضطراری ہے جو قابلِ مدح نہیں۔

ارشاد مقدس ﴿بِالْغَيْبِ﴾ میں یہ احتمال ہے کہ ﴿وَعَدَ الرَّحْمَنُ﴾ سے متعلق ہو تب اس احتمال کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ ان جنتوں کا غائبانہ وعدہ کیا ہے جن کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے نہ ان کو دیکھا ہے وہ ان پر ایمان لائے غائبانہ ان کی تصدیق کی اور ان کے حصول کے لئے کوشاں رہے حالانکہ انہوں نے ان کو دیکھا ہی نہیں اور اگر وہ ان کو دیکھ لیتے تب ان کا کیا حال ہوتا اس صورت میں ان کی شدید طلب رکھتے ہیں ان میں بہت زیادہ رغبت رکھتے اور ان کے حصول کے لئے سخت کوشش کرتے۔ اس میں ان کے ایمان بالغیب کی بنا پر ان کی مدح ہے یہی وہ ایمان ہے جو فائدہ دیتا ہے نیز اس امر کا احتمال بھی ہے کہ (بالغیب) (عبادہ) سے متعلق ہو یعنی وہ لوگ جنہوں نے حالت غیب میں اور اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کی عبادت کی۔ ان کی عبادت کا یہ حال ہے حالانکہ انہوں نے اس کو دیکھا نہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو وہ اس کی بہت زیادہ عبادت کرتے اور اس کی طرف بہت زیادہ رجوع کرتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے اندر بہت زیادہ محبت اور اشتیاق ہوتا۔

اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جنتیں جن کا رحمن نے اپنے بندوں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے ان کا تعلق ایسے امور کے ساتھ ہے جو اوصاف کے دائرہ ادراک سے باہر ہیں۔ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس اس آیت کریمہ میں جنت کے لئے شوق ابھارا گیا ہے نیز آیت کریمہ میں بیان کردہ مجمل وصف نفوس کو اس کے حصول اور ساکن کو اس کی طلب میں متحرک کرتا ہے اور یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (السجدة: ۱۷/۳۲) ”کوئی تنفس نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے صلے میں ان کے لئے آنکھوں کی کون سی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔“ مذکورہ تمام معانی صحیح اور ثابت ہیں۔ البتہ پہلا احتمال زیادہ صحیح ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا﴾ ”بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہے۔“ یعنی یہ ضرور ہو کر رہے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ سب سے زیادہ سچی ہستی ہے۔

﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا﴾ یعنی وہ جنت میں کوئی ایسی لغو بات نہیں سنیں گے جس کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات سنیں گے جس کا سننا گناہ ہو لہذا وہ جنت میں کوئی سب و شتم، کوئی عیب جوئی اور نہ کوئی ایسی بات سنیں گے جس کے سننے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب ہوتا ہو اور نہ ہی تکدر پر مبنی کوئی بات ﴿إِلَّا سَلَامًا﴾

یعنی وہ صرف ایسی باتیں سنیں گے جو ہر عیب سے پاک ہوں گی۔ یعنی ذکر الہی، سلام، پر سرور باتیں، بشارت، دوستوں کے درمیان خوبصورت اور اچھی اچھی باتیں، رحمن کا خطاب، حوروں، فرشتوں اور غلمان کی دل ربا آوازیں، طرب انگیز نعمات، اور نرم الفاظ سننے کو ملیں گے کیونکہ یہ سلامتی کا گھر ہے جہاں ہر لحاظ سے کامل سلامتی کے سوا کچھ نہیں۔ ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا﴾ اور ان کے لیے ان کا رزق ہوگا اس میں، یعنی ماکولات و مشروبات اور مختلف انواع کی لذات جب بھی وہ طلب کریں گے اور جب بھی رغبت کریں گے ہمیشہ موجود پائیں گے۔ ان کی تکمیل، ان کی لذت اور ان کا حسن یہ ہے کہ یہ معلوم اوقات میں ہوں گی ﴿بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ صبح اور شام، تاکہ ان چیزوں کا وقوع با عظمت اور ان کا فائدہ کامل ہو۔

وہ جنت جس کا ہم نے وصف بیان کیا ہے ﴿الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ ہم اہل تقویٰ کو اس جنت کا وارث بنائیں گے اس جنت کو ہم ان کا دائمی گھر بنائیں گے جہاں سے وہ کبھی کوچ کریں گے نہ یہاں سے کہیں اور منتقل ہونا چاہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (ال عمران: ۱۳۳) ”دوڑ کر بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے جو اہل تقویٰ کے لئے تیار کی گئی ہے۔“

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ  
اور نہیں اترتے ہم مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ اسکے درمیان ہے،  
وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۱۶﴾ رَبُّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ  
اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا O رب ہے آسمانوں اور زمین کا، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، پس آپ عبادت کریں اس کی  
وَاصْطَبِرْ لِّعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَبِيًّا ﴿۱۷﴾

اور قائم رہیں اس کی عبادت پر، کیا آپ جانتے ہیں اس کے لیے کوئی (اور اس کا) ہم نام؟ O

ایک دفعہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر دیر سے نازل ہوئے آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا ”آپ جتنی بار ہمارے پاس آتے ہیں، کاش اس سے زیادہ ہمارے پاس آئیں“ آپ نے یہ بات جبریل علیہ السلام کی طرف اشتیاق اور اس کی جدائی سے وحشت محسوس کرتے ہوئے کہی تاکہ اس کے نزول سے اطمینان قلب حاصل ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی زبانی فرمایا: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ ”ہم تو اپنے رب کے حکم ہی سے اترتے ہیں، یعنی اس معاملے میں ہمیں کوئی اختیار نہیں اگر ہمیں نازل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے تو ہم اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ہم اس کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (النحریم: ۶۶) ”اللہ جو حکم ان کو دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں



کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔“ ہم تو مامور و محکوم بندے ہیں۔

﴿لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ﴾ ”اسی کے لیے ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان میں ہے۔“ یعنی وہی ہے جو ہر زمان و مکان میں امور ماضی، امور حاضر اور امور مستقبل کا مالک ہے اور جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اختیار میں ہیں تو ہم محض اس کے بندے اور اس کی دست تدبیر کے تحت ہیں اس لئے تمام معاملہ ان دو باتوں کے مابین ہے۔

۱۔ آیا حکمت الہی اس فعل کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اسے نافذ فرمائے؟

۲۔ یا حکمت الہی اس فعل کا تقاضا نہیں کرتی؟ کہ وہ اسے مؤخر کر دے؟

اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ”اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔“ یعنی آپ کا رب آپ کو فراموش کر کے مہمل نہیں چھوڑے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ (الضحیٰ: ۳۱/۹۳) ”آپ (ﷺ) کے رب نے آپ (ﷺ) کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے ناراض ہے۔“ بلکہ وہ اپنے بہترین قوانین جمیلہ اور تدابیر جلیلہ کے مطابق آپ کے لئے احکام جاری کرتے ہوئے آپ کے تمام امور کو درخور اعتنا رکھتا ہے یعنی جب ہم وقت معاد سے تاخیر سے نازل ہوتے ہیں تو یہ چیز آپ (ﷺ) کو غمزہ نہ کرے اور آپ (ﷺ) کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تاخیر کا ارادہ کیا ہے کیونکہ اس میں اس کی حکمت ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے احاطہ علم اور عدم نسیان کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا۔“ پس زمین اور آسمان میں اس کی ربوبیت اور ان کا بہترین اور کامل ترین نظام کے مطابق رواں دواں رہنا جس میں غفلت کا کوئی شائبہ ہے نہ ان میں کوئی چیز بے فائدہ ہے اور نہ کوئی چیز باطل ہے..... اس حقیقت پر قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو شامل ہے لہذا آپ (ﷺ) اپنے آپ کو اس میں مشغول نہ کریں بلکہ آپ ان امور میں اپنے آپ کو مشغول کریں جو آپ کو کوئی فائدہ دیتے ہیں اور جن کا فائدہ آپ کی طرف لوٹتا ہے اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت جس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿وَاصْطَبِرْ لِّعِبَادَتِهِ﴾ ”یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کاربند رکھئے اس میں کوتاہی نہ رہیے اور مقدور بھر اس کو کامل ترین طریقے سے قائم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت عبادت گزار کو تمام تعلقات اور شہوات کے ترک کرنے میں تسلی کا باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَمَدَّنْ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ وَاَمْرًا هَلٰکًا بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا﴾ (طہ: ۱۳۱/۲۰-۱۳۲) ”ان کی اس دنیاوی شان و شوکت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو عطا کی ہے تاکہ ہم اس کے ذریعے سے انہیں آزمائیں

اور آپ کے رب کا عطا کردہ رزق بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہے اور خود بھی اس کے پابند رہے۔“

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَيِّئًا﴾ کیا آپ تمام مخلوق میں اس کی کوئی ہم نام کوئی مشابہت اور مماثلت رکھنے والی ہستی جانتے ہیں؟ یہ استفہام نفی کا معنی دیتا ہے جو عقلاً معلوم ہے یعنی آپ کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ کی برابری کرنے والی اس کے مشابہ اور مماثل ہو۔ کیونکہ وہ رب ہے اور دوسرے مربوب وہ خالق ہے اور دیگر تمام مخلوق وہ ہر لحاظ سے بے نیاز ہے اور دیگر تمام ہر لحاظ سے بالذات محتاج ہیں وہ کامل ہے جو ہر لحاظ سے کمال مطلق کا مالک ہے دیگر تمام ناقص ہیں کسی میں کوئی کمال نہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کر دیا۔ پس یہ اس حقیقت پر برہان قاطع ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا عبودیت کا مستحق ہے۔ اس کی عبادت حق اور ماسوا کی عبادت باطل ہے اس لئے اس نے صرف اپنی عبادت کرنے اور اس پر پابند رہنے کا حکم دیا اور اس کی علت یہ بتلائی کہ وہ اپنے کمال اپنی عظمت اور اسمائے حسنیٰ میں منفرد ہے۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِثُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۖ

اور کہتا ہے انسان، کیا جب میں مر جاؤں گا تو البتہ نکالا جاؤں گا (قبر سے) زندہ (کر کے)؟ کیا نہیں یاد کرتا انسان

أَنَا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكْ شَيْئًا ۖ

کہ بیشک ہم ہی نے پیدا کیا ہے اسے پہلے اس سے، اور نہ تھا وہ کچھ بھی

یہاں (الانسان) سے مراد ہر وہ شخص ہے جو زندگی بعد موت کا منکر ہے اور وہ مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کو بعید سمجھتا ہے چنانچہ وہ نفی عناد اور کفر کی وجہ سے استفہامیہ اسلوب میں کہتا ہے: ﴿إِذَا مَا مِثُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا﴾ یعنی میرے مرنے کے بعد جبکہ میں بوسیدہ ہو چکا ہوں گا اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ کیسے زندہ کرے گا؟ ایسا نہیں ہو سکتا اور اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس کی عقل فاسد برے مقصد اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں کے ساتھ اس کے عناد کے مطابق ہے۔ اگر اس نے تھوڑا سا بھی غور و فکر کیا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کا دوبارہ زندہ کئے جانے کو بعید سمجھنا بہت بڑی حماقت ہے۔ بناء بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے زندگی بعد موت کے امکان پر ایسی قطعی برہان اور واضح دلیل بیان فرمائی ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔ ﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكْ شَيْئًا﴾ کیا وہ اس طرف التفات نہیں کرتا اور اپنی پہلی حالت کو یاد نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ پس جو ہستی اسے عدم سے وجود میں لانے کی قدرت رکھتی ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا کیا وہ ہستی اسے اس کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کی اور اس کے بکھر جانے کے بعد اس کو دوبارہ اکٹھا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی؟ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْسُ وَا



اَلْخَلْقُ ثُمَّ يُعِيْدُ ۙ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴿۲۷﴾ (الروم: ۲۷/۳۰) ”وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے آسان تر ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ﴾ میں لطیف ترین پیرائے میں عقلی دلیل کے ذریعے سے غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے اس کا انکار پہلی حالت کے بارے میں اس کی غفلت پر مبنی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اس کو یاد کر کے اپنے ذہن میں حاضر کرنے کی کوشش کرے تو وہ ہرگز انکار نہیں کرے گا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمُ وَالشَّيْطٰنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝۱۸

پس قسم ہے آپ کے رب کی، البتہ ہم ضرور اکٹھا کریں گے انہیں ہمراہ شیطانوں کے، پھر البتہ ہم ضرور حاضر کریں گے انہیں ارد گردِ جہنم کے گھٹنوں کے بل ○  
ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝۱۹ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ  
پھر البتہ ہم ضرور کھینچ لیں گے ہر گروہ میں سے جو انسان کا زیادہ سخت تھا، رحمن کے خلاف سرکشی میں ○ پھر یقیناً ہم خوب جانتے ہیں

بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوَّلٰى بِهَا صَلِيًّا ۝۲۰

ان لوگوں کو کہ وہ زیادہ لائق ہیں جہنم میں داخل ہونے کے ○

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی قسم اٹھائی اور وہ سب سے سچی ہستی ہے کہ وہ زندگی بعد موت کا انکار کرنے والوں کو ضرور اکٹھا کرے گا ان کو اور ان کے شیطانوں کو ایک مقررہ روز جمع کرے گا۔ ﴿ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾ یعنی ہولنا کیوں کی شدت، زلزلے کی کثرت اور احوال کی خوفناکی کی وجہ سے وہ اپنے گھٹنوں کے بل آئیں گے اور بلند و برتر اللہ کے حکم کے منتظر ہوں گے اس لئے ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ یعنی ہم ہر گروہ اور ہر فرقے سے ظالموں کو نکال لیں گے جو ظلم کفر اور سرکشی میں اشتراک رکھتے ہیں اور (عُتُو) وہ شخص ہے جو ان میں سے سب سے زیادہ سرکش سب سے بڑا ظالم اور سب سے بڑا کافر ہے۔ پس اس کو عذاب کی طرف ان سب میں مقدم کیا جائے گا پھر اسی طرح عذاب کی طرف اس کو مقدم کیا جائے گا جو گناہ میں اس سے کم تر ہوگا پھر اسے جو اس سے کم تر ہوگا علیٰ ہذا القیاس۔ اور وہ اس حال میں ایک دوسرے پر لعنت بھیج رہے ہوں گے۔ ان میں سے آخری گروہ اولین گروہ سے کہے گا: ﴿رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ اَضَلُّوْنَا فَاتَّهَمُ عَدَا اَبًا ضَعِفًا مِنَ النَّارِ﴾ (الاعراف: ۳۸/۷) ”اے ہمارے رب! یہی لوگ تھے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا پس انہیں جہنم کا دو گنا عذاب دے۔“ اور فرمایا: ﴿وَقَالَتْ اُولٰٓئِهٖمُ اخْبِرْنٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ (الاعراف: ۳۹/۷) ”پہلا گروہ آخری گروہ سے کہے گا تمہیں ہم پر کچھ بھی فضیلت حاصل نہیں۔“

اور یہ سب کچھ اس کے عدل و حکمت اور اس کے لاحدود علم کے تابع ہے۔ بناء بریں فرمایا: ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ

بِالَّذِينَ هُمْ اَوَّلِيْ بِهَا صِلٰٓيًا ﴿۱۶﴾ یعنی ہمارا علم ہر اس شخص کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو آگ میں جھونکے جانے کا زیادہ مستحق ہے ہمیں ان کے بارے میں علم ہے اور ہم ان کے اعمال ان اعمال کے استحقاق اور ان کے عذاب کی مقدار بھی جانتے ہیں۔

وَاِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَاَرْدُهَاۗ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْبًا مَّقْضِيًّا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ  
اور نہیں ہے تم میں سے (کوئی بھی) مگر وہ وارد ہوگا اس میں ہے یہ آپ کے رب کے ذمے حتمی فیصلہ شدہ بات ○ پھر ہم نجات دیں گے  
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۱۸﴾

ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، اور ہم چھوڑ دیں گے ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ○

یہ خطاب نیک و بد مومن اور کافر تمام خلایق کے لئے ہے، خلایق میں کوئی ایسا نہیں ہوگا جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے اور اس نے اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے اس کا نفاذ لابدی اور اس کا وقوع حتمی ہے۔ البتہ وارد ہونے کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ تمام مخلوق جہنم میں حاضر ہوگی حتیٰ کہ تمام لوگ گھبرا اٹھیں گے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو نجات دے دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ وارد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ مگر اہل ایمان پر جہنم کی آگ سلامتی والی اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ”وارد ہونے“ سے مراد پل صراط پر سے گزرنا ہے جو جہنم کے اوپر بنا ہوا ہوگا۔ لوگ اپنے اعمال کی مقدار کے مطابق پل پر سے گزریں گے، بعض لوگ پلک جھپکتے گزر جائیں گے، بعض ہوا کی سی تیزی سے گزریں گے، بعض عمدہ گھوڑوں، عمدہ سوار یوں کی طرح اور بعض چلتے ہوئے، بعض گھستے ہوئے گزریں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جن کو اچک کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ہر ایک کے ساتھ اس کے تقویٰ کے مطابق معاملہ ہوگا اس لئے فرمایا: ﴿ثُمَّ نُنَجِّيْ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ یعنی پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر مامورات کی تعمیل کرتے اور محظورات سے اجتناب کرتے رہے ہوں گے۔ ﴿وَنَذَرُ الظَّالِمِيْنَ﴾ ”اور چھوڑ دیں گے ہم ظالموں کو“، یعنی جنہوں نے کفر اور معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ﴿فِيْهَا جِثِيًّا﴾ ”اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے“۔ یہ سب عذاب ان کے ظلم اور کفر کے سبب سے ہوگا، جہنم میں ہمیشہ رہنا ان کا مقدر بن جائے گا وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور نجات کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں واضح، تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے،

اَيُّ الْفَرِیْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۱۹﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

کون سا دونوں فریقوں میں سے بہتر ہے یا اعتبار مقام کے، اور زیادہ اچھا ہے یا اعتبار مجلس کے؟ ○ اور بہت سی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے



## مَنْ قَرَنَ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرَعِيًّا ۝

تو میں کہہ دہ بڑھ کر تھیں (ان سے) باعتبار ساز و سامان اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کے ○

جب ان کفار کے سامنے ہماری آیات بینات کی تلاوت کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی صداقت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں اور جو کوئی ان کو سنتا ہے اس کے لئے صدق ایمان اور شدت ایتقان کا موجب بنتی ہیں..... تو یہ ان آیات کا متضاد امور اور استہزاء کے ساتھ سامنا کرتے ہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو تمسخر اڑاتے ہیں اور دنیا میں اپنی خوش حالی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اہل ایمان سے بہتر ہیں۔ پس وہ حق سے معارضہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ﴾ ”دونوں فریقوں میں سے کون۔“ یعنی مومنین اور کفار میں سے ﴿خَيْرٌ مَّقَامًا﴾ ”زیادہ بہتر ہے مقام کے لحاظ سے“ یعنی دنیا میں کثرت مال و اولاد اور تفوق شہوات کے اعتبار سے کون اچھے مقام پر ہے ﴿وَاحْسَنُ نَدِيًّا﴾ ”اور کس کی مجلس اچھی ہے؟“ یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے مال اور اولاد کی کثرت اکثر آسائشوں کے حصول اور مجلس آرائیوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے احوال اچھے ہیں اور اہل ایمان کا حال اس کے برعکس ہے اس لئے وہ اہل ایمان سے بہتر ہیں اور یہ انتہائی فاسد دلیل ہے یہ چیز تقلیب حقائق میں شمار ہوتی ہے۔ ورنہ کثرت مال و اولاد اور خوبصورت منظر میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ان لوگوں کی ہلاکت، شر اور شقاوت کی باعث ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا﴾ ”اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں وہ زیادہ اچھے تھے مال و متاع کے اعتبار سے۔“ یعنی برتن، بچھونے، گھر اور سامان آرائش وغیرہ کے اعتبار سے اچھے تھے۔ ﴿وَرَعِيًّا﴾ ”اور نام و نمود میں۔“ یعنی آسودہ زندگی، لذتوں کے سرور اور خوبصورت چہروں کے پرکشش مناظر کے اعتبار سے۔

پس جب وہ ہلاک شدگان جو بہترین اثاثے اور خوبصورت مناظر رکھتے تھے ان چیزوں کے ذریعے عذاب سے نہ بچ سکے تو یہ لوگ کیسے بچ سکتے ہیں جو مال و متاع اور سہولتوں میں ان سے کمتر اور کمزور ہیں۔ ارشاد فرمایا: ﴿الْكَافِرُ كَرِهُنَّ أَوْ لَيْسَ لَهُنَّ وَلَئِنْ لَّمْ يَكْفُرْ لَبَّاسًا يَلْبَسْهُ يَكْفِرُ بِالْآيَاتِ وَالْحُجُجِ﴾ (القمر: ۴۳/۵۴) ”کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا پہلی کتابوں میں تمہارے لئے براءت لکھ دی گئی ہے۔“ اس سے واضح ہو گیا کہ دنیاوی بہتری سے اخروی بہتری پر استدلال کرنا سب سے فاسد دلیل ہے اور یہ کفار کا طریق استدلال ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَبْذُذْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ

کہہ دیجئے! جو شخص ہے گمراہی میں تو ڈھیل دیتا ہے جسے جس (لمبی) ڈھیل دینا یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا وعدہ دینے جاتے ہیں وہ،

إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرُّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۝

یا عذاب اور یا قیامت، تو ضرور جان لیں گے وہ کہ کون ہے کہ وہ بدتر ہے باعتبار مکان کے اور کمزور تر ہے باعتبار لشکر کے ○

جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی باطل دلیل کا ذکر کیا جو ان کے عناد کی شدت اور گمراہی کی قوت پر دلالت کرتی ہے وہاں اس نے یہ بھی آگاہ فرمادیا کہ جو کوئی گمراہی میں مستغرق اور اس پر راضی ہے اور گمراہی کے لئے کوشاں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی کو اور زیادہ کر دیتا ہے اور گمراہی کے لئے اس کی چاہت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ اس کے لئے اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الانعام: ۱۱۰/۶) ”اور ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے تو جیسے یہ پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے تھے (ویسے پھر ایمان نہ لائیں گے) اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیں گے۔“

﴿حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ لوگ دیکھیں گے“ جو کہتے تھے: ”دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بہتر ہے مقام کے لحاظ سے اور کس کی مجلس اچھی ہے؟“ ﴿مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ﴾ ”جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا یا تو عذاب“ یعنی قتل وغیرہ کے ذریعے ان کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ﴿وَإِمَّا السَّاعَةَ﴾ ”اور یا قیامت“ جو اعمال کی جزاکا دروازہ ہے۔ ﴿فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا﴾ ”پس عنقریب وہ جان لیں گے کہ کون بدتر ہے مقام کے لحاظ سے اور زیادہ کمزور ہے جتنے کے اعتبار سے۔“ یعنی اس وقت ان کے دعوے کا بطلان ظاہر ہوگا تب یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان کا دعویٰ کس قدر کمزور تھا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی وہ بدکار لوگ تھے۔ مگر یہ علم انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ان کا دنیا میں واپس جانا ممکن نہیں کہ وہاں وہ پہلے اعمال کے برعکس اعمال بجالائیں۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَلَقِيتُ الصَّلَاحُ خَيْرٌ عِنْدَ

اور زیادہ کرتا ہے اللہ، ان لوگوں کو جنہوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں اور باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں نزدیک

رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

آپ کے رب کے باعتبار ثواب کے اور بہت بہتر ہیں باعتبار انجام کے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ وہ ظالموں کی گمراہی کو اور زیادہ کر دیتا ہے یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اپنے فضل و کرم اور رحمت سے مزید اضافہ کر دیتا ہے..... اور ہدایت، علم نافع اور عمل صالح دونوں کوشاں ہے۔ پس ہر وہ شخص جو علم و ایمان اور عمل صالح کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ علم و ایمان عطا کرتا ہے اور اس راستے میں اس کے لئے آسانی کر دیتا ہے اور اسے بعض ایسے امور عطا کرتا ہے جو اس کے اپنے کسب کے تحت نہیں آتے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ سلف صالح کا قول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے۔ ﴿وَيَزِدَادُ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾



(المحدث: ۳۱/۷۴) ”تاکہ جو لوگ ایمان لائے ان کے ایمان میں اضافہ ہو۔“ نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ﴿وَإِذَا تَلَّيْتُمْ عَلَيْهِمْ آيَاتَهُ زَادْتُهُمْ إِيْمَانًا﴾ (الانفال: ۲/۸) ”جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔“ نیز واقعات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ ایمان دل اور زبان کے قول اور دل زبان اور اعضاء کے عمل کا نام ہے اور ان امور میں تمام اہل ایمان ایک دوسرے سے بہت زیادہ متفاوت ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ﴾ یعنی باقی رہنے والے وہ اعمال جو کبھی منقطع نہیں ہوتے جبکہ دیگر اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور جو مضل نہیں ہوتے، یہ نیک اعمال ہیں مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، قراءت قرآن، تسبیح و تکبیر، تحمید و تہلیل مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور دیگر تمام اعمال قلب اور اعمال بدن وغیرہ۔ پس یہ تمام اعمال ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان اعمال کا بہتر اجر و ثواب ہے اہل اعمال کے لئے ان اعمال کا فائدہ اور اجر بہت زیادہ ہے۔ یہ اسم تفضیل کو کسی اور جگہ استعمال کرنے کے باب میں ہے کیونکہ وہاں باقیات صالحات کے سوا کوئی عمل صاحب عمل کو کوئی فائدہ دے گا نہ اس کا ثواب صاحب عمل کے لئے باقی رہے گا۔ یہاں باقیات صالحات کو ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے (واللہ اعلم) چونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ظالم کفار اپنے مال و اولاد اور حسن مقام وغیرہ کے دنیاوی احوال کو اپنے حسن حال کی علامت قرار دیتے ہیں اس لئے یہاں آگاہ فرمایا کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ سمجھتے ہیں بلکہ عمل جو سعادت کا عنوان اور فلاح کا منشور ہے ان امور کی تعمیل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان پر راضی ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۖ أَظَلَعَ الْغَيْبُ

کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے کفر کیا ساتھ ہماری آیتوں کے، اور اس نے کہا ضرور دیا جاؤں گا میں مال اور اولاد کیا مطلع ہوا ہے وہ غیب پر

أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۖ كَلَّا ۖ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ

یالیا ہے اس نے رحمن کے ہاں سے کوئی عہد؟ ہرگز نہیں، ضرور لکھیں گے ہم جو کچھ وہ کہتا ہے، اور بڑھادیں گے ہم اسکے لیے

مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۖ وَنَزِّلُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝۵

عذاب (بہت) بڑھانا اور ہم وارث ہوں گے ان چیزوں کے جو وہ کہتا ہے اور وہ آئے گا ہمارے پاس (روز قیامت) اکیلا ہی

کیا اس کافر کی حالت پر تعجب نہیں ہوتا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کو اپنے بہت بڑے دعوے کے ساتھ یکجا کر دیا ہے کہ اس کو آخرت میں بھی مال و اولاد سے نوازا جائے گا، یعنی وہ اہل جنت میں سے ہوگا۔ اس کا یہ دعویٰ سب سے زیادہ تعجب انگیز امور میں سے ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہوتا اور پھر یہ دعویٰ کرتا تو معاملہ آسان تھا۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ کسی معین کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے تاہم یہ ہر کافر کو شامل ہے جو

اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے اور وہ اہل جنت میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی توبہ و تکذیب کے طور پر فرماتا ہے: ﴿اٰطَعِ الْغَيْبِ﴾ ”کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے؟“ یعنی کیا اس کے علم نے غیب کا احاطہ کر رکھا ہے حتیٰ کہ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کیا کچھ ہوگا جس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ قیامت کے روز اسے مال و اولاد سے نوازا جائے گا ﴿اَمَرَ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ ”یا اس نے رحمٰن سے عہد لے رکھا ہے“ کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کرے گا جن کا اس نے دعویٰ کیا ہے..... یعنی کچھ بھی ایسے نہیں ہوگا۔ تب معلوم ہوا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی کرتا ہے اور ایسی بات کہتا ہے جس کے بارے میں اسے خود بھی علم نہیں۔ اس تقسیم اور تردید کی غرض و غایت الزامی جواب اور مخالف پر حجت قائم کرنا ہے۔ کیونکہ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں بھلائی حاصل ہوگی اسے مندرجہ ذیل امور میں سے ایک ضرور حاصل ہے۔

(۱) یا تو اس کا یہ قول امور مستقبل کے بارے میں علم غیب سے صادر ہوا مگر ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ وحدہ کو ہے۔ مستقبل میں پیش آنے والے امور غیب کو کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے رسولوں میں سے جسے اللہ تعالیٰ مطلع کر دے۔

(۲) یا اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے ایمان باللہ اور اتباع رسل کے ذریعے سے عہد لے رکھا ہے جن کے پیروکاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ وہ آخرت میں نجات یافتہ اور کامیاب لوگ ہوں گے۔

جب ان دونوں امور کی نفی ہوگئی تو معلوم ہوا کہ دعویٰ باطل ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ ”ہرگز نہیں وہ جو کہتا ہے ہم لکھ رکھیں گے“ یعنی اصل معاملہ یوں نہیں جس طرح وہ دعویٰ کرتا ہے کیونکہ اس کا قائل امور غیبیہ کی اطلاع نہیں رکھتا اس لیے کہ وہ کافر ہے۔ اس کے پاس نبوت کا علم ہے نہ اس نے رحمٰن سے عہد لے رکھا ہے کیونکہ وہ کافر ہے اور ایمان سے محروم ہے۔ بلکہ اس کے اس جھوٹ کے برعکس وہ جہنم کا مستحق ہے۔ اس کا یہ قول لکھ لیا گیا ہے اور اللہ کے ہاں محفوظ ہے اسے اس کی سزا ملے گی اور اس کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنُنذِرُ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَذًّا﴾ ”اور ہم اس کے لیے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے۔“ یعنی جس طرح یہ اپنی گمراہی میں بڑھتا گیا اسی طرح ہم اس کو دیئے جانے والے مختلف اقسام کے عذاب میں اضافہ کریں گے۔ ﴿وَنَرِيْهُ مَا يَقُوْلُ﴾ ”اور ہم وارث ہوں گے اس کے جس کی بابت وہ کہہ رہا ہے۔“ یعنی ہم اس کے مال اور اولاد کے وارث ہوں گے چنانچہ وہ مال اہل و عیال اور اعوان و انصار کے بغیر اس دنیا سے آخرت کے گھر کی طرف منتقل ہوگا ﴿وَيَاْتِنَا فَرْدًا﴾ ”اور آئے گا وہ ہمارے پاس اکیلا ہی۔“ پس وہ بدترین عذاب کا سامنا کرے گا جو اس جیسے ظالم لوگوں کی سزا ہے۔

وَاتَّخِذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِلٰهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۖ كَلَّا ۖ سَيَكْفُرُوْنَ

اور بنا لئے ہیں انہوں نے سوائے اللہ کے اور معبود تاکہ ہوں وہ ان کے لیے مددگار ○ ہرگز نہیں، عنقریب وہ خود ہی انکار کریں گے



بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ

ان کی عبادت کا، اور وہ ہونگے ان کے مخالف ۝ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے بھیجا شیطانوں کو  
عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَّزَّهُمْ اِذَا ۝ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّمَا نَعْدُ لَهُمْ عَذَابًا ۝  
اوپر کافروں کے کہ وہ ابھاریں انہیں (گناہوں پر) ابھارنا ۝ پس نہ جلدی کریں آپ ان پر، ہم گن رہے ہیں انکے لیے گناہ ۝

یہ کفار کی سزا ہے۔ اس لیے کہ جب انہوں نے اللہ کے حکموں کو نہیں مانا اور نہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا  
بلکہ اس کے برعکس انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی شیاطین کے ساتھ موالات رکھی تو  
اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو ان پر مسلط کر دیا اور شیاطین نے ان کو ورغلا کر گناہوں پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں  
کفر کی ترغیب دیتے ہیں انہیں وسوسوں میں مبتلا کرتے ہیں ان پر القاء کرتے ہیں اور ان کے سامنے باطل کو مزین  
کر کے اور حق کو بد نما بنا کر پیش کرتے ہیں۔ پس باطل کی محبت ان کے دلوں میں داخل ہو کر جاگزیں ہو جاتی ہے وہ  
باطل کی خاطر اسی طرح کوشش کرتا ہے جس طرح حق پرست حق کے لئے جدوجہد کرتا ہے وہ اپنی کوشش اور سعی  
سے باطل کی مدد کرتا ہے اور باطل کے راستے میں حق کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور یہ سب کچھ اس بات کی سزا  
ہے کہ اس نے اپنے حقیقی دوست اور سرپرست سے منہ موڑ کر اپنے دشمن کو دوست بنا لیا اور اپنے آپ کو اس کے  
تسلط میں دے دیا۔ ورنہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا اور اس پر بھروسہ کرتا تو شیطان اس پر کبھی تسلط قائم نہ  
کر سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝  
اِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَكَّلُوْنَهُ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُّشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (النحل: ۹۹/۱۰۰) ”اسے ان  
لوگوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا بس تو صرف انہی لوگوں  
پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور ان پر جو اس (کے گمراہ کرنے) کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔“

﴿ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۚ ﴾ یعنی آپ ان کفار کے بارے میں غلٹ نہ کیجئے جو عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔  
﴿ اِنَّمَا نَعْدُ لَهُمْ عَذَابًا ۝ ﴾ ”ہم تو خود ہی ان کے لیے (مدت) شمار کر رہے ہیں۔“ یعنی ان کے لئے دن مقرر کر دیئے  
گئے ہیں جن میں کوئی تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔ ہم انہیں کچھ مدت کے لئے مہلت دے کر بردباری سے کام لے رہے  
ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ جب اس مہلت کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو ہم اسے ایک غالب اور مقتدر  
ہستی کی طرح اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلَى جَهَنَّمَ وَرْدًا ۝

جس دن ہم اکٹھا کریں گے متقیوں کو رحمن کی طرف مہمان (بنا کر) ۝ اور ہم ہانگیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے ۝

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مِّنْ اِتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝

نہیں اختیار رکھیں گے وہ سفارش کرنے کا، مگر جس نے لیا رحمن (اللہ) کے ہاں سے عہد ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں گروہوں، یعنی متقین و مجرمین کے درمیان تفاوت بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ متقین کو ان کے شرک و بدعات اور دیگر گناہوں سے بچنے کے سبب سے قیامت کے روز اکرام و تعظیم کے ساتھ اکٹھا کرے گا اور وہ وفود کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ ان کی منزل اور ان کا مطلوب و مقصود رحمن و منان ہوگا اور یہ ضروری ہے کہ آنے والے کا دل امید سے لبریز ہو اور جس کے پاس آیا ہے اس پر حسن ظن ہو۔ پس اہل تقویٰ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے پایاں احسان کی امید رکھتے ہوئے اور اس کی رضا کے گھر میں اس کی نوازشوں سے فوزیاب ہوتے ہوئے اس کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اس کا سبب ان کے وہ نیک اعمال ہوں گے جو انہوں نے آگے بھیجے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی اتباع کی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے انبیاء و رسل کی زبان پر ان کے لئے اس ثواب کا عہد کر رکھا ہے۔ پس وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی طرف رواں دواں ہوں گے۔

رہے مجرم تو ان کو پیاسا ہی جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور یہ ان کی بدترین حالت ہوگی کہ ان کو انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ سب سے بڑے قید خانے اور بدترین عذاب میں یعنی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ وہ تھکے ماندے سخت پیاسے ہوں گے وہ مدد کے لئے پکاریں گے مگر ان کی مدد نہ کی جائے گی وہ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی اور وہ سفارش تلاش کریں گے مگر ان کی سفارش نہ کی جائے گی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَسْتَلْكَوْنَ الشَّفَاعَةَ﴾ یعنی وہ سفارش کے مالک ہوں گے نہ انہیں سفارش کا کوئی اختیار ہوگا۔ تمام تر سفارش کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ ﴿قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾ (الزمر: ۴۴/۳۹) ”کہہ دیجئے سفارش سب اللہ کے لئے ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا ہے کہ سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لا کر اس سے کوئی عہد نہیں لیا۔ ورنہ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہے اور اس کو سفارش حاصل ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنْ اَرَادَ﴾ (الانبیاء: ۲۸/۲۱) ”وہ اس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے وہ (اللہ تعالیٰ) راضی ہو۔“ اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ اور اپنے رسولوں کی اتباع کو عہد قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں اور اپنے انبیاء و رسل کی زبان پر عہد کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جزائے جمیل عطا کرے گا جو انبیاء و رسل کی اتباع کریں گے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا ۙ تَكَاذُّ السَّعٰوُتِ

اور کہا انہوں نے بنائی ہے رحمن نے اولاد ۝ البتہ تحقیق آئے ہو تم ایک بات بڑی بھاری کو ۝ قریب ہیں آسمان کہ



يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۖ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۖ ﴿٩١﴾  
 پھٹ پڑیں اس (بات) سے اور شق ہو جائے زمین، اور گر پڑیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ۝ (اس بات سے) کہ دعویٰ کیا انہوں نے رحمن کیلئے اولاد کا ۝  
 وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۖ ﴿٩٢﴾ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي  
 اور نہیں لائق رحمن کے یہ کہ وہ بنائے اولاد ۝ نہیں ہے کوئی بھی (مخلوق) آسمانوں اور زمین میں، مگر آنے والی ہے وہ  
 الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۖ ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۖ ﴿٩٤﴾  
 رحمن کے پاس غلام بن کر ۝ البتہ تحقیق شمار کر رکھا ہے اس نے ان کو، اور گن رکھا ہے انہیں گنتا ۝  
 وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۖ ﴿٩٥﴾  
 اور وہ سب آنے والے ہیں اللہ کے پاس دن قیامت کے تہا تہا ۝

یہ ان لوگوں کے قول کی قباحت کا بیان ہے جو عناد اور انکار پر جمے ہوئے ہیں اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ رحمن نے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں ﴿الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۰، ۱۹) ”مسیح اللہ کا بیٹا ہے“ یہودی کہتے ہیں ﴿عَزِيزٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۰، ۱۹) ”عزیر اللہ کا بیٹا ہے“ اور مشرکین کہتے ہیں ”فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔“ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند اور بڑا ہے۔

﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا﴾ یعنی تم نے بدترین بات کہی ہے۔ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ ﴿تَكَادُ السَّمَوَاتُ﴾ قریب تھا کہ آسمان اپنی عظمت اور صلابت کے باوصف ﴿يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ﴾ اس قول سے پھٹ جاتے۔ ﴿وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ﴾ اور زمین پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی۔ ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر برابر ہو جاتے۔ ﴿أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا﴾ ”اس بنا پر کہ انہوں نے رحمن کی اولاد ڈھرائی۔“ یعنی اس بدترین دعویٰ کی بنا پر ان تمام مخلوقات کی حالت یہ ہوتی جو ان آیات میں ذکر کی گئی ہے۔ جب کہ حال یہ ہے ﴿وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ﴾ رحمان کے یہ لائق نہیں ہے اور نہ یہ ہو ہی سکتا ہے ﴿أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا﴾ ”کہ وہ اولاد بنائے۔“ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے لئے بیٹا بنانا اس میں نقص اور احتیاج پر دلالت کرتا ہے جب کہ وہ بے نیاز اور جمید ہے نیز بیٹا اپنے باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی شبیہ ہے نہ مثل اور نہ اس کی نظیر ہے۔

﴿إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا﴾ ”آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں وہ سب رحمن کے غلام بن کر آنے والے ہیں۔“ یعنی ذلیل اور مطیع ہو کر بغیر کسی نافرمانی کے رحمن کی خدمت میں حاضر ہوں گے ”فرشتے“ جن وانس سب اللہ کے مملوک اور اس کے دست تصرف کے تحت ہیں اقتدار میں ان کا کوئی حصہ ہے نہ تدبیر کائنات میں ان کا کوئی اختیار ہے..... جب اس کی شان اور اس کے اقتدار کی عظمت یہ ہو تب اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدٰهُمْ عَدًا﴾ اس کا علم زمین اور آسمانوں کی تمام خلایق کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے اعمال کو شمار کر رکھا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے نہ بھولتا ہے اور کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا﴾ ہر ایک اس کے پاس قیامت کے دن اکیلا ہی آئے گا۔ یعنی اولاد مال و دولت اور اعوان و انصار اس کے ساتھ نہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ اس کے عمل کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اعمال کا بدلہ دے گا اور اس سے پورا پورا حساب لے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال برے ہوں گے تو ان کی جزا بھی بری ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِرَادٰی كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الانعام: ۹۴/۶) ”تم اسی طرح ہمارے پاس تنہا آئے ہو جس طرح پہلی مرتبہ ہم نے تمہیں اکیلا پیدا کیا تھا۔“

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۙ

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک، عنقریب پیدا کر دے گا ان کے لیے رحمن محبت ○  
یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے ان بندوں پر انعام ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو جمع کیا..... کہ وہ ان کے لئے اپنے اولیاء اور زمین و آسمان کے رہنے والوں کے دلوں میں محبت اور مودت ڈال دیتا ہے۔ جب ان کے بارے میں دلوں میں محبت ہو جاتی ہے تو ان کے اکثر معاملات ان کے لیے آسان ہو جاتے ہیں اور ان کو بھلائی، دعائیں، راہنمائی اور امامت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے ایک صحیح حدیث میں وارد ہے ”جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر“ پھر جبریل آسمان والوں کو پکار کر کہتا ہے کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے اس لئے تم بھی اسے محبوب رکھو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں اسے قبولیت عطا کی جاتی ہے“ ① اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین و آسمان کے رہنے والوں کے دلوں میں محبت اس لئے پیدا کی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور محبوب لوگوں کے نزدیک ان کو محبوب بنا دیا۔

فَاَنۢمَا یَسِّرُنۡہٗ لِیَسَّٰنِکَ لِتَبۡشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیۡنَ وَتُنۢذِرَ بِہٖ قَوۡمًا لَّدَآ ۙ

پس یقیناً آسان کر دیا ہے ہم نے اس (قرآن) کو آجکی زبان میں تاکہ آپ خوش خبری دیں اسکے ساتھ پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں اسکے ساتھ جھگڑالوؤں کو ○  
وَكَمۡ اَہۡلَکُنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ۫ هَلۡ تَحۡسِبُ مِنْہُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ۙ اَوْ تَسۡعٰی لَهُمۡ رِکۡزًا ۙ  
کو کتنی ہی ہلاک کر دیں ہم نے، پہلے ان سے تو میں کیا آپ محسوس کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو (آنکھ پاتا تھ)؟ یا آپ سنتے ہیں انکی کوئی ہنک بھی؟ ○

① صحیح البخاری، الادب، باب المقیة من اللہ تعالیٰ، ح: ۶۰۴۰ و صحیح مسلم، البر و الصلة، باب اذا احب



اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس پر اس قرآن کریم کو آسان کیا۔ اس کے الفاظ و معانی کو عام فہم بنایا تاکہ مقصد حاصل ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ ﴿لَتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ﴾ تاکہ آپ دنیاوی اور اخروی ثواب کی ترغیب کے ذریعے سے متقین کو بشارت دیں اور ان اسباب کا ذکر کریں جو بشارت کے موجب ہیں۔ ﴿وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لَّدَا﴾ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے باطل میں نہایت سخت اور اپنے کفر میں نہایت قوی ہیں۔ اس طرح ان پر حجت قائم ہوگی اور ان کے سامنے صراط مستقیم واضح ہو جائے گی۔ تب جو کوئی ہلاک ہوگا تو دلیل کی بنیاد پر ہلاک ہوگا اور جو کوئی زندہ رہے گا تو دلیل کی طاقت سے زندہ رہے گا۔

پھر ان کو پہلے لوگوں کی جنہوں نے انبیاء و مرسلین کو جھٹلایا، ہلاکت کا ذکر کر کے ڈرایا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ﴾ ”ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا۔“ یعنی قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ جو انبیاء کے ساتھ عناد رکھتے اور ان کی تکذیب کرتے تھے۔ جب وہ اپنی سرکشی میں جھے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر ڈالا اور ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ﴿هَلْ تُحِشُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ یہاں (دکڑ) سے مراد خفیہ آواز ہے یعنی ان لوگوں کے آثار تک باقی نہ رہے۔ بس ان کے قصے باقی رہ گئے جو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت ہیں اور ان کی کہانیاں باقی رہ گئیں جو نصیحت کے متلاشی لوگوں کے لئے نصیحت ہیں۔

### تفسیر سورۃ طہ

سُورَةُ طه (۲۰) مَكِّيَّةٌ (۱۷۵)	بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اللہ کے نام سے شروع ہو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے	اِنَّا نَزَّلْنَاهَا ذِكْرًا عَلٰی ۱۷۵ ذِكْرًا عَلٰی ۸
-------------------------------------	--	--

طہ ۱ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی ۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰی ۳ تَنْزِيْلًا طہ ۴ نہیں نازل کیا ہم نے آپ پر قرآن اسلئے کہ آپ مشقت میں پڑیں ۵ مگر نصیحت کیلئے واسطے شخص کے جو ڈرتا ہے ۶ نازل کیا گیا ہے مِّنْ خَلْقِ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۷ الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۸ لَّهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو ۹ وہ جُئِنَ ہے، اوپر عرش کے مستوی ہے ۱۰ اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۱۱ وَاِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ہمدرد میان ان دونوں کے اور جو کچھ ہے نیچے ناک زمین کے ۱۲ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بلاشبہ وہ جانتا ہے السِّرُّ وَ اَخْفٰی ۱۳ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۱۴ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ۱۵ پوشیدہ اور پوشیدہ تر بات کو ۱۶ اللہ، نہیں ہے کوئی بھی معبود مگر وہی، اسی کے ہیں سب نام اچھے ۱۷

﴿طہ﴾ اس کا شمار من جملہ حروف مقطعات سے ہے جن کے ساتھ بہت سی سورتوں کی ابتداء ہوتی ہے اور

واضح رہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی نہیں ہے۔ ﴿مَا أُنزِلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى﴾ ”نہیں اتارا ہم نے آپ پر قرآن اس لیے کہ آپ مشقت میں پڑیں۔“ یعنی آپ کی طرف وحی بھیجے، قرآن نازل کرنے اور آپ کو شریعت عطا کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ کسی سختی میں مبتلا ہوں (ایسا نہیں کہ) شریعت میں کوئی تکلیف ہو جو مکلفین پر شاق گزرے اور عمل کرنے والوں کے قوی اس پر عمل کرنے سے عاجز ہو جائیں۔ وحی، قرآن اور شریعت کو تو رحیم و رحمان نے نازل کیا ہے اور اسے سعادت اور فوز و فلاح کا راستہ قرار دیا، اسے انتہائی سہل رکھا، اس کے تمام راستوں اور دروازوں کو آسان بنایا اور اسے قلب و روح کی غذا اور بدن کی راحت قرار دیا۔ فطرت سلیم اور عقل مستقیم نے اسے قبول کر کے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کیونکہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کو علم ہے کہ یہ دنیا و آخرت کی بھلائی پر مشتمل ہے اس لئے فرمایا: ﴿الَّذِي ذُكِّرَ بِقَوْمِهِمْ يَخْشَى﴾ ”یہ اس لیے نازل کیا تا کہ اس سے وہ شخص نصیحت پکڑے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ پس وہ جلیل ترین مقاصد کی خاطر اس کے اندر دی گئی ترغیب سے نصیحت پکڑتا اور اس کی وجہ سے اس پر عمل کرتا ہے اور اس کے اندر شقاوت و خسران سے جو ڈرایا گیا ہے اس سے ڈرتا اور شریعت کے احکام جمیلہ سے نصیحت پکڑتا ہے جن کا حسن و جمال، مجمل طور پر عقل میں جا گزیں ہے اور وہ ان تفصیل کے مطابق ہیں جو اس کی عقل و فطرت میں موجود ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو (تذکرہ) کہا ہے۔

کسی چیز کا ”تذکرہ“ موجود ہوتا ہے البتہ انسان خود اس سے غافل ہوتا ہے یا اس کی تفصیل متحضر نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ”تذکرہ“ (یاد دہانی) کو اس شخص کے ساتھ مختص کیا ہے ﴿لَسَنَ يَخْشَى﴾ ”جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے والا شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور وہ شخص فائدہ اٹھا بھی کیسے سکتا ہے جو جنت پر ایمان رکھتا ہے نہ جہنم پر اور اس کے قلب میں ذرہ بھر بھی خوف الہی موجود نہیں؟ یہ ایسی بات ہے جو کبھی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿سَيَذَكِّرُكَ مَنْ يَخْشَى ۝ وَيَتَجَبَّبَهَا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي يَصْلَى النَّكَارَ﴾ (الاعلیٰ: ۱۰۸۷-۱۲) ”جو اللہ کا خوف رکھتا ہے وہی اس سے نصیحت پکڑتا ہے اور بد بخت (اور بے خوف انسان) اس سے پہلو تہی کرتا ہے وہ جو بہت بڑی دہکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا۔“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس قرآن عظیم کی جلالت شان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خالق ارض و سماء کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جو تمام کائنات کی تدبیر کرتا ہے..... یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو حد درجہ اطاعت اور محبت و تسلیم کے ساتھ قبول کرو اور انتہائی حد تک اس کی تعظیم کرو۔ اللہ تعالیٰ نے بہت دفعہ (خلق) اور (امر) کو مقرون (ساتھ ساتھ) بیان کیا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بھی ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف: ۵۴) ”آگاہ رہو کہ تخلیق بھی اسی کی اور حکم بھی اسی کا ہے۔“ اور جیسا کہ فرمایا: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾



(الطلاق: ۱۲/۶۵) ”اللہ ہی تو ہے جس نے ساتوں آسمان پیدا کئے اور ویسی ہی (سات) زمینیں ان میں امر الہی نازل ہوتا ہے۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق کائنات، حکم دینے والا اور روکنے والا ہے۔ پس جس طرح اس کے سوا کوئی خالق نہیں، اسی طرح مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لازم کرنے والا نہیں۔ ان کے خالق کے سوا کوئی حکم دے سکتا ہے نہ روک سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس کے خلق میں اس کی تدبیر کوئی وقدری جاری و ساری ہے اور اس کے امر میں دینی و شرعی تدبیر کا رفرما ہے۔ پس جیسے اس کی تخلیق اس کی حکمت کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی، اس نے کوئی چیز عبث پیدا نہیں کی۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو عدل و احسان پر مبنی ہو اور صرف عدل و احسان اور حکمت کے تقاضے کے مطابق ہی کسی چیز سے روکتا ہے۔ جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا خالق اور مدبر ہے، وہی حکم دینے والا اور روکنے والا ہے تو اس نے اپنی عظمت اور کبریائی کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”رحمن عرش پر“ جو تمام کائنات سے بلند، تمام کائنات سے بڑا اور تمام کائنات سے وسیع ہے ﴿اَسْتَوٰی﴾ ”مستوی ہے“ یہاں استواء سے مراد وہ استواء ہے جو اس کے جلال کے لائق اور اس کی عظمت و جمال سے مناسبت رکھتا ہے۔ پس وہ عرش پر مستوی اور کائنات پر حاوی ہے۔

﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ”اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے۔“ تمام ملائکہ، جن و انس، حیوانات، جمادات اور نباتات۔ ﴿وَمَا تَحْتُ النَّارِ﴾ ”اور جو کچھ سطح زمین کے نیچے ہے“ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور تمام لوگ اس کے بندے ہیں جو اس کے دست تدبیر اور اس کی قضا و قدر کے تحت مسخر ہیں۔ اقتدار الہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور وہ خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع و نقصان، موت و حیات اور دوبارہ اٹھائے جانے پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ﴿وَاِنْ تَجَهَّرْ بِاَلْقَوْلِ فَاِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ﴾ ”اور اگر آپ اونچی بات کہیں تو وہ تو جانتا ہے سری بات کو بھی۔“ یعنی پوشیدہ کلام کو ﴿وَاحْفَى﴾ ”اور سری سے بھی زیادہ مخفی بات کو۔“ یعنی خفی سے خفی تر بات جو انسان کے دل میں ہوتی ہے اور ابھی نطق زبان پر نہیں آئی ہوتی۔ یا (السِّر) سے مراد وہ خیال ہے جو انسان کے دل میں آتا ہے اور (اخْفَى) سے مراد وہ خیال ہے جسے ابھی دل میں آتا ہے اور ابھی تک نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کب وہ خیال اپنے وقت پر اپنی صفت کے ساتھ دل میں داخل ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ علم الہی چھوٹی بڑی اور ظاہر و باطن تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس لئے آپ بلند آواز سے بولیں یا آہستہ آواز سے، علم الہی کی نسبت سے سب برابر ہے۔

جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ وہ کمال مطلق کا مالک ہے، اپنی تخلیق کے عموم کی وجہ اپنے امر و نہی اور اپنی رحمت کے عموم کی وجہ سے، اپنی عظمت کی وسعت اور اپنے عرش پر بلند ہونے کی وجہ سے اور اپنی بادشاہی اور اپنے علم کے

عموم کی وجہ سے تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اسی کی عبادت حق ہے جس کو شریعت اور عقل و فطرت واجب ٹھہراتی ہے اور غیر اللہ کی عبادت باطل ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ یعنی کوئی معبود حق ہے نہ کوئی قابل عبادت جس کے سامنے محبت، تذلل، خوف، امید اور انابت کا اظہار کیا جائے اور اس کو پکارا جائے مگر صرف اللہ ہی۔ ﴿لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾ ”اسی کے لیے ہیں اچھے نام“ یعنی اس کے بہت سے نام ہیں جو بہت اچھے ہیں۔ اس کے ناموں کا حسن یہ ہے کہ وہ نام تمام ترمذ پر دلالت کرتے ہیں۔ ان ناموں میں سے کوئی نام ایسا نہیں جو مدح و حمد پر دلالت نہ کرتا ہو۔ ان ناموں کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ محض اُعلام (نام) نہیں بلکہ وہ نام اور اوصاف ہیں۔ ان کا حسن یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کامل صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کامل، عام اور جلیل ترین ہے اور ان کا حسن یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے ان ناموں سے پکاریں کیونکہ یہ ایک وسیلہ ہیں جو بندوں کو اللہ کے قریب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ناموں کو پسند کرتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو ان ناموں کو پسند کرتے ہیں اور جو انہیں یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو ان کے معانی کی تحقیق کرتے ہیں اور ان ناموں کے ذریعے سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۰/۷) ”اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں اسے انہی ناموں سے پکارو۔“

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۖ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۚ  
اور کیا آئی ہے آپ کے پاس بات موسیٰ کی؟ ○ جب اس نے دیکھی آگ تو کہا اپنے گھر والوں سے، ٹھہرو تم، بلاشبہ میں نے دیکھی ہے آگ،  
لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدٍ عَلَى النَّارِ هُدًى ۖ فَلَبَّيَّا أَتَاهَا  
تاکہ میں لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے کوئی انگارہ، یا میں پاؤں آگ کے پاس راستہ بتلانے والا ○ پس جب وہ آیا اس آگ کے پاس  
نُودِي يُوسَى ۖ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوًى ۝  
تو آواز دیا گیا اے موسیٰ! ○ بے شک میں تیرا رب ہوں، سو تو اتار دے اپنی جوتیاں بلاشبہ تو وادی مقدس طوی میں ہے ○  
اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے استفہام تقریری کے طور پر اور اس قصہء مذکورہ کی تعظیم اور  
عظمت کی خاطر فرماتا ہے: ﴿وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى﴾ ”کیا آپ کے پاس موسیٰ کی بات آئی؟“، یعنی جناب  
موسیٰ علیہ السلام کی اس حالت کا قصہ جو ان کی سعادت کی بنیاد اور ان کی نبوت کی ابتدا تھی کہ انہیں بہت دور سے آگ  
نظر آئی اور وہ راستے سے بھٹک گئے تھے اور سردی محسوس کر رہے تھے اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے  
وہ اپنے سفر میں گرمی حاصل کر سکیں۔ ﴿فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ ”تو انہوں نے اپنے گھر والوں  
سے کہا ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے“ اور یہ آگ کوہ طور کے دائیں جانب تھی۔ ﴿لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ﴾



”شاید میں تمہارے پاس اس میں سے ایک انگارا لاؤں۔“ تاکہ تم اس سے آگ تاپ سکو ﴿أَوْ اجِدْ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ یا اس آگ کے پاس مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو مجھے راستہ بتا دے۔ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود وحسی روشنی اور حسی ہدایت تھا۔ مگر انہوں نے وہاں معنوی نور یعنی نورِ وحی پالیا۔ جس سے قلوب و ارواح روشن ہوتے ہیں اور انہیں حقیقی ہدایت یعنی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی حاصل ہوئی جو نعمتوں بھری جنت کو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی چیز سے بہرہ ور ہوئے جو ان کے کسی حساب اور خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

﴿فَلَمَّا أَتَاهَا﴾ یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے جو انہوں نے دور سے دیکھی تھی..... جو درحقیقت نور تھا اور وہ ایسی آگ ہے جو جلاؤ الٰتی ہے اور روشنی دیتی ہے اس حقیقت پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ((حِجَابُهُ النُّورُ - وَفِي رَوَايَةٍ: النَّارُ - لَوْ كَشَفَهُ لَأُحْرِقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا أَنْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ))<sup>①</sup> ”اس کا حجاب نور ہے۔ ایک روایت میں ہے: آگ۔ اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کا جلال حدنگاہ تک ہر چیز کو بھسم کر ڈالے۔“ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو اس میں سے آواز آئی یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الظُّلُمِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا﴾ (مریم: ۵۲/۱۹) ”ہم نے اسے کوہِ طور کی دائیں جانب سے پکارا اور سرگوشی کرنے کے لئے اس کو قریب کیا۔“

﴿إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوًى﴾ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مناجات کے لئے تیار اور اس کا اہتمام کر لیں اور اپنے جوتے اتار دیں کیونکہ وہ مقدس پاک اور قابلِ تعظیم وادی میں ہیں۔ اگر وادی کی تقدیس کے لیے کوئی اور چیز نہ ہوتی تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات کے لئے چن لینا ہی کافی تھا۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا اس لئے حکم دیا تھا کیونکہ وہ گدھے کی کھال سے بنے ہوئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

### وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝

اور میں نے تجھے پسند کر لیا ہے پس تو غور سے سن اسکو جو وحی کی جاتی ہے

﴿وَأَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ یعنی میں نے لوگوں میں سے تجھے چن لیا ہے۔ یہ سب سے بڑی نعمت اور احسان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نوازا جو اس شکر کا تقاضا کرتی ہے جو اس کے لائق ہے اس لئے فرمایا ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ﴾ یعنی اس وحی کو غور سے سن جو تیری طرف کی جا رہی ہے وہ اس کی مستحق ہے کہ اس کو غور سے سنا جائے کیونکہ یہ دین کی اساس اور دعوتِ اسلامی کا ستون ہے۔

① صحیح مسلم، الإيمان، باب فی قوله ﷺ (إِن اللَّهَ لَا يَنَامُ) ..... ح: ۱۷۹

اِنِّى اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۚ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ۝۱۶

بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، نہیں کوئی معبود (برحق) مگر میں ہی، اور قائم کر نماز میرے ذکر کے لیے ○

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس وحی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنِّى اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا﴾ ”بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔“ یعنی اللہ ہی ہے جو الوہیت کا مستحق اور اس سے متصف ہے کیونکہ وہ اسماء و صفات میں کامل اور اپنے افعال میں منفرد ہے جس کا کوئی شریک ہے نہ مثیل اور جس کا کوئی ہمسر ہے نہ برابر کرنے والا۔

﴿فَاعْبُدْنِىْ﴾ ”پس میری ہی عبادت کر۔“ عبادت کی ظاہری اور باطنی، اصولی اور فروعی تمام انواع کے ذریعے سے۔ پھر نماز کا بطور خاص ذکر فرمایا حالانکہ نماز عبادت میں داخل ہے۔ اس کی ایک وجہ نماز کا شرف و فضل ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جو دل، زبان اور اعضاء کی عبادت کو متضمن ہے۔

﴿لِذِكْرِىْ﴾ یہاں لام تعلیل کے لئے ہے، یعنی میرے ذکر کی خاطر نماز قائم کر کیونکہ ذکر الہی جلیل ترین مقصد ہے، علاوہ ازیں یہ عبودیت قلب کو متضمن ہے اور اسی پر انسان کی سعادت کا دار و مدار ہے۔ پس ذکر الہی سے خالی دل ہر بھلائی سے محروم ہو کر پوری طرح برباد ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مختلف انواع کی عبادات مشروع فرمائی ہیں، خاص طور پر نماز، تو ان عبادات کا مقصد صرف ذکر الہی کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَتْلُ مَا اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت: ۴۵/۲۹) ”اس کتاب کی تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کیجیے بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور ذکر الہی اس سے بھی بڑی چیز ہے۔“ یعنی نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کا جو ذکر ہے، وہ نماز کے فحش اور برے کاموں سے روکنے سے زیادہ بڑی چیز ہے۔ عبادت کی اس نوع کو توحید الوہیت اور توحید عبادت کہا جاتا ہے۔ الوہیت اللہ تعالیٰ کا وصف ہے اور عبودیت بندے کا وصف ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِنُجْزِىْ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝۱۷

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، قریب ہے کہ چھپاؤں میں اس کو تاکہ بدلہ دیا جائے ہر جان کو، اس کا جو وہ کوشش کرتا ہے ○

﴿اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ﴾ یعنی قیامت کی گھڑی کا واقع ہونا لازمی امر ہے۔ ﴿اَكَادُ اُخْفِيْهَا﴾ یعنی قیامت کی گھڑی خود آپ ﷺ سے چھپی ہوئی ہے جیسا کہ بعض قراءت میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے: ﴿يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب: ۶۳/۳۳) ”آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔“ اور فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمن: ۳۱/۳۴) ”قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو تمام مخلوقات سے چھپا رکھا



ہے قیامت کے بارے میں کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔

اور قیامت کے آنے کی حکمت یہ ہے کہ ﴿لِيَجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى﴾ ہر شخص نے جو بھلے یا برے اعمال میں بھاگ دوڑ کی ہے اس کو ان کی جزادی جائے کیونکہ قیامت دارالجزا کا دروازہ ہے۔ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ اَحْسَنُوا بِالْحُسْنٰی﴾ (النجم: ۳۱/۵۳) ”تا کہ جن لوگوں نے برے کام کئے انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کو اچھا بدلہ دے۔“

فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾

پس نہ رو کے تجھ کو اس سے وہ شخص جو نہیں ایمان لاتا ساتھ اس کے، اور پیروی کی اس نے اپنی خواہش کی پس تو (بھی) ہلاک ہو جائے ○ وہ شخص جو قیامت کا انکار کرتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے روک نہ دے۔ وہ اس بارے میں شک کرتا ہے اور شک جزا و سزا پر ایمان لانے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے روک نہ دے۔ وہ اس بارے میں شک کرتا ہے اور شک پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس بارے میں باطل دلائل کے ذریعے سے بحث کرتا ہے خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے، مقدور بھر قیامت کے بارے میں شبہات پیدا کرتا ہے اس کا مقصد حق تک پہنچنا نہیں بلکہ اس کا مقصد صرف خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اس کی بات پر کان دھرنے اور اس کے اقوال و افعال کو قیامت پر ایمان لانے سے روکتے ہیں قبول کرنے سے بچتے۔

جس شخص کا یہ حال ہے اس سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے صرف اس لئے حکم دیا ہے کہ وہ ایسا شخص ہے جس کا دجل اور اس کی وسوسہ اندازی مومن کے لیے سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز ہے اور نفوس انسانی کی فطرت ہے کہ وہ اپنے ابنائے جنس کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس میں تنبیہ اور اشارہ ہے کہ ہر اس شخص سے بچا جائے جو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے ایمان واجب یا اس کی تکمیل سے روکتا ہے اور قلب میں شبہات پیدا کرتا ہے نیز ان تمام کتابوں سے بچا جائے جو باطل نظریات پر مشتمل ہیں۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان آخرت پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ تینوں امور ایمان کی اساس اور دین کا ستون ہیں۔ اگر یہ امور کامل ہیں تو دین بھی کامل ہے اور ان امور کے فقدان یا ان کے ناقص رہنے سے دین بھی ناقص رہ جاتا ہے۔ اس کی نظیر اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ ارشاد ہے جس میں ان گروہوں کی سعادت اور شقاوت کی میزان کے بارے میں خبر دی گئی ہے جن کو کتاب عطا کی گئی تھی۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادَوْا وَ الظَّالِمِیْنَ وَ النَّصْرٰی مِنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (المائدہ: ۶۹/۵۰)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے یا یہودی ہوئے یا صابی یا عیسائی جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا اور

نیک عمل بھی کرے گا ان کے لئے کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ ارشاد فرمایا: ﴿فَتَرْدٰی﴾ یعنی اگر آپ

اس شخص کے راستے پر گامزن ہوئے جو مذکورہ امور سے روکتا ہے تو آپ ہلاک ہو کر بدبختی کا شکار ہو جائیں گے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٤﴾ قَالَ هِيَ عَصَاىۡ اَتَوَكَّلُ عَلٰیهَا وَاهْتَئِسُّ بِهَا عَلٰی غَنٰی

اور کیا ہے یہ تیرے دائیں ہاتھ میں اے موسیٰ؟ موسیٰ نے کہا، یہ میرا عصا ہے، ٹیک لگاتا ہوں میں اس پر اور پتے جھاڑتا ہوں اسکے ساتھ اپنی بکریوں پر،

وَلٰی فِیْهَا مَارِبٌ اٰخَرٰی ﴿١٥﴾ قَالَ اَلْقَهَا یٰمُوسٰى ﴿١٦﴾ فَالْقَهَا فَاِذَا هِیَ

اور میرے لیے اس میں مقاصد ہیں اور بھی ○ اللہ نے فرمایا، ڈال دے اسے، اے موسیٰ! پس جب اس نے ڈالا اسے تو ناگہاں وہ

حَیَّۃٌ تَّسْعٰی ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۚ سَنُعِیْدُهَا سَبْرِتَہَا ۙ اَلْاُولٰٓئِیۡ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ

سانپ تھا دوڑتا ہوا ○ فرمایا پکڑ لے اسے اور مت ڈرتو، ابھی ہم لوٹا دیں گے اسے اس کی پہلی ہی حالت پر ○ اور ملا

یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجُ بَیْضًا ۙ مِنْ غَیْرِ سُوِّۤ اٰیۃٍ اٰخَرٰی ﴿٢٢﴾

اپنا ہاتھ ساتھ اپنی بغل کے، نکلے گا وہ چمکتا ہوا بغیر کسی بیماری کے یہ نشانی ہے دوسری ○

لِنُرِیْکَ مِنْ اٰیٰتِنَا ۙ الْکُبْرٰی ﴿٢٣﴾

تاکہ ہم دکھائیں تجھے کچھ اپنی نشانیاں بڑی بڑی ○

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اساس ایمان کا ذکر کیا تو ارادہ فرمایا کہ وہ ان کے سامنے اساس ایمان کو اچھی طرح واضح کر دے اور انہیں اپنی نشانیاں دکھائے جن سے ان کا دل مطمئن اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی تائید سے ان کے ایمان کو تقویت حاصل ہو، اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى﴾ ”اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟“ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کے باوجود تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر زیادہ اہتمام کی بنا پر استفہام کے اسلوب میں کلام فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا: ﴿هِيَ عَصَاىۡ اَتَوَكَّلُ عَلٰیهَا وَاهْتَئِسُّ بِهَا عَلٰی غَنٰی﴾ ”یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔“ اس میں اللہ تعالیٰ نے دو فوائد ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) آدمی کے لئے فائدہ وہ چلنے پھرنے اور کھڑے ہونے میں اس کا سہارا لیتا ہے اور اسے اس سے مدد حاصل ہوتی ہے۔

(۲) بہائم کے لئے فائدہ آدمی اس کے ذریعے سے اپنی بھیڑ بکریوں کو چراتا ہے۔ جب وہ اپنے مویشیوں کو درختوں کے پاس چراتا ہے تو اس سے درختوں کے پتے جھاڑتا ہے، یعنی یہ عصا درخت پر مارتا ہے تاکہ پتے جھڑیں اور ان کو بکریاں چر لیں۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حسن خلق ہے جس کے آثار یہ ہیں کہ وہ بہائم و حیوانات کے ساتھ بھی اچھا سلوک



کرتے تھے اور ان کے ساتھ حسن رعایت سے پیش آتے تھے نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں چن کر اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حکمت اس تخصیص کا تقاضا کرتی تھی۔ ﴿وَلِي فِيهَا مَارِبٌ أُخْرَى﴾ ”اور میرے لیے اس میں دوسرے مقاصد بھی ہیں۔“ یعنی ان مذکورہ دو مقاصد کے علاوہ دیگر مقاصد۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا ادب تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ ان کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے..... یہ سوال عصا کے عین کے بارے میں ہے یا اس کی منفعت کے بارے میں اس میں دونوں احتمالات ہیں..... موسیٰ علیہ السلام نے اس کے عین اور منفعت، یعنی دونوں احتمالات کے مطابق جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: ﴿اَنْفَهَا يَسُوْسِي ۝ فَالْقَهَا فَادَا هِيَ حَيَّةٌ سَسْنٰى﴾ ”اے موسیٰ! اسے زمین پر ڈال دے، تو انہوں نے ڈال دیا، پس وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔“ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ عصا ایک بہت بڑے سانپ میں تبدیل ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام خوف کھا کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس سانپ کا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ حرکت کرتا تھا یہ ایک وہم کے ازالے کے لئے تھا جو ممکن تھا کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ سب تخیل کی کار فرمائی ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ پس اس کے حرکت کرنے نے اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿حُذِّهَا وَلَا تَخَفْ﴾ ”اسے پکڑ لے اور مت ڈر،“ یعنی اس سے تجھ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ ﴿سَنُعِيْدُهَا سَيْرَتَهَا اَلْوَلٰى﴾ ”یعنی ہم اسے اس کی اصلی ہیئت اور صفت کی طرف لوٹا دیں گے جو عصا کی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایمان اور تسلیم و رضا سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور سانپ کو پکڑ لیا اور سانپ اسی جانے پہچانے عصا میں تبدیل ہو گیا۔ یہ (پہلا) معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے معجزے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ﴾ ”یعنی اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال اور اپنے بازو کو اپنے ساتھ لگا لے جو انسان کے پر ہیں۔“ ﴿تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سُوِّءٍ﴾ ”یعنی بغیر کسی عیب اور برص وغیرہ کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔“ ﴿اٰیةٌ اُخْرٰى﴾ ”یہ دوسرا معجزہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَذَنِّكَ بُرْهَانِنِ مِنْ رَبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فَسِقٰٓئِيْنَ﴾ (القصص: ۲۸، ۲۹) ”تیرے رب کی طرف سے یہ دو معجزے ہیں، فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔“

﴿لِنُزَيِّنَكَ مِنْ اٰیَتِنَا الْكُبْرٰى﴾ ”یہ مذکور افعال..... یعنی عصا کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا دیکھنے والوں کے لئے سفید چمکدار ہو جانا..... صرف اس لئے سرانجام دیئے ہیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کروائیں جو تیری رسالت کی صحت اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں اور یوں تجھ کو اطمینان قلب حاصل ہوگا، تیرے علم میں اضافہ ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نصرت کے وعدے پر بھروسہ کرے گا، نیز یہ نشانیاں ان لوگوں کے سامنے حجت اور دلیل ہوں گی جن کی طرف تجھ کو مبعوث کیا جا رہا ہے۔“





نرم دل ہیں اگر آپ تند خوخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے ارد گرد سے چھٹ جاتے۔“ لوگ (داعی کی) نرم خوئی، کشادہ دلی اور ان کے بارے میں اس سے انشراح صدر کی بنا پر قبول حق کے قریب آتے ہیں۔

﴿وَيَبْذُرُ فِي أَمْرِي﴾ یعنی میرے لئے میرا ہر معاملہ اور اپنے راستے میں میری ہر منزل کو آسان کر دے میرے سامنے جو مشکلات اور سختیاں ہیں ان کو نرم کر دے۔ معاملے کو آسان کرنا یہ ہے کہ داعی نہایت آسانی کے ساتھ تمام معاملات کو ان کے اپنے دائرے میں نمٹا سکے۔ ہر شخص سے اس کے مزاج کی مناسبت سے مخاطب ہو اور اسے اس طریقے سے دعوت دے جو قبول حق کے قریب تر ہو۔

﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ۖ يَفْقَهُوا قَوْلِي﴾ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ثقل تھا جس کی وجہ سے ان کی بات مشکل سے سمجھ میں آتی تھی۔ جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا: ﴿وَإِنِّي هُرُونٌ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا﴾ (القصص: ۳۴/۲۸) ”اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات کو سمجھ سکیں اور خطاب اور معانی کے بیان کا مقصد پورا ہو سکے۔

﴿وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي﴾ یعنی میرے گھر والوں میں سے میرا مددگار بنادے جو میری مدد کرے جو میرا میرا بوجھ بٹائے اور جن لوگوں کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا جا رہا ہے ان کے مقابلے میں مجھے تقویت دے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کی کہ یہ مددگار ان کے گھر والوں میں سے ہو اس لیے کہ یہ صلہ رحمی کا ایک طریقہ ہے۔ انسان کی نیکی کا سب سے زیادہ مستحق اس کا رشتہ دار ہوتا ہے پھر اپنی دعا میں اس مددگار کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هُرُونٌ أَحْيٰى ۖ أَشَدُّ بِهِ أَذْرًى﴾ یعنی مجھے میرے بھائی کے ذریعے قوت عطا کر اور میری کمر کو مضبوط کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلَ لَكُمَا سُلْطٰنًا﴾ (القصص: ۳۵/۲۸) ”ہم آپ کے بھائی کے ذریعے سے آپ کے ہاتھ مضبوط کریں گے اور آپ دونوں کو غلبہ دیں گے۔“ ﴿وَأَشْرِكُهُ فِي أَمْرِي﴾ نبوت میں اسے میرا شریک بنادے۔ یعنی اسے بھی نبی اور رسول بنادے جس طرح مجھے بنایا ہے۔

پھر اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿كَيْ تُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۖ وَتَذْكُرَكَ كَثِيرًا﴾ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ تمام عبادات اور دین کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے ساتھ ان کے بھائی کو بھی نبوت عطا کر دے وہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی تسبیح و تہلیل اور عبادات کی دیگر انواع میں اضافہ ہوگا۔ ﴿إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا﴾ اے اللہ! تو ہمارے حال ہماری کمزوری اور ہمارے عجز کو جانتا ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم ہر معاملے میں تیرے محتاج ہیں تو ہمیں ہم سے زیادہ دیکھتا ہے اور ہم پر ہم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ پس ہم نے تجھ سے جو سوال کیا ہے وہ ہمیں

عطا کر کے ہمیں ممنون فرما اور ہماری دعا قبول فرما۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ اَوْتَيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسٰى﴾ اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا ہے تجھ کو عطا کیا جاتا ہے، ہم تجھ کو انشراح صدر عطا کر دیں گے، تیرے معاملے کو آسان کر دیں گے، تیری زبان کی گرہ کھول دیں گے، لوگ تیری بات کو سمجھیں گے اور ہم تیرے بھائی ہارون کے ذریعے سے تیرے ہاتھ مضبوط کر دیں گے ﴿وَنَجْعَلُ لَّكَ سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكَمَا بِاٰيٰتِنَا اَنْتُمْآ وَمِنْ اَتْبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ (القصص: ۳۵، ۳۸) ”ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے اور وہ ہماری نشانیوں کے سبب سے تم دونوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے غلبہ تم دونوں اور تمہارے متبعین ہی کا ہوگا۔“

موسیٰ علیہ السلام کا سوال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل تھی، آپ کمال درجے کے ذہین و فطین تھے اور تمام معاملات کی کامل معرفت رکھتے تھے اور کامل خیر خواہی سے بہرہ ور تھے نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اور مخلوق کی راہنمائی کرنے والا..... خاص طور پر جب اس داعی کے مخاطب اہل عناد، متکبر اور سرکش لوگ ہوں..... کشادہ دلی، اذیتوں پر بردباری اور فصاحت زبان، جس کے ذریعے سے وہ اپنے مقاصد اور ارادوں کی تعبیر پر قادر ہو، محتاج ہوتا ہے بلکہ اس مقام پر فائز شخص کے لئے فصاحت و بلاغت نہایت ضروری ملکہ ہے کیونکہ اسے کثرت سے بحث و تکرار کی ضرورت پیش آتی ہے، علاوہ ازیں یہ بھی اس کی ضرورت ہے کہ وہ حتی المقدور حق کو خوب صورت اور مزین کر کے پیش کرے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو اور باطل کی قباحیت و شاعت کو اجاگر کرے تاکہ لوگ اس سے متنفر ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ داعی حق اس بات کا بھی محتاج ہے کہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا ہو اور وہ اس کے لئے درست طریق کار اختیار کرے۔ حکمت، اچھی نصیحت اور بہترین طریق گفتگو کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دے اور لوگوں کے ساتھ ان کے حسب حال معاملہ کرے اور ان سب باتوں کی تکمیل یہ ہے کہ جو شخص یہ وصف رکھتا ہو اس کے کچھ اعوان و مددگار ہوں جو اس کے مقصد کے حصول میں اس کی مدد کریں کیونکہ جب آوازیں زیادہ ہوں گی تو وہ زیادہ اثر انداز ہوں گی، اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان امور کا سوال کیا تھا جو انہیں عطا کر دیئے گئے۔

اگر آپ انبیاء کی حالت پر غور کریں گے، جن کو مخلوق کی طرف بھیجا گیا، تو ان کے احوال کے مطابق ان کو اسی حال میں پائیں گے۔ خاص طور پر افضل الانبیاء خاتم المرسلین جناب محمد ﷺ کو جو ہر صفت کمال میں بلند ترین درجے پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کو جس طرح شرح صدر، تیسیر امر، فصاحت زبان، حسن تعبیر و بیان اور حق کی راہ میں اعوان و انصار یعنی صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والوں سے نوازا گیا، دوسرے انبیاء کو یہ خوبیاں اس انداز



سے میسر نہیں آئیں۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۖ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ اِمَامِكَ مَا يُؤْمَىٰ ۚ  
اور البتہ تحقیق احسان کر چکے ہیں ہم تجھ پر ایک مرتبہ اور بھی ۚ جب الہام کیا تھا ہم نے تیری ماں کی طرف، وہ جو (اب) وحی کی جاتی ہے ۚ  
اِنْ اَقْذِفْهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ  
یہ کہ ڈال دے تو اس (موسیٰ) کو صندوق میں، پھر ڈال دے اس (صندوق) کو دریا میں، پس لاڈالے گا اسکو دریا ساحل پر، کہ پکڑے اسکو  
عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۗ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۗ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَيْنِي ۖ  
دشمن میرا اور دشمن اسکا، اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے، اور تاکہ تو پرورش کیا جائے میری آنکھوں کے سامنے ۚ  
اِذْ تَمْشِيْ اَخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدْرٰكُكُمْ عَلٰی مَنْ يَّكْفُلُهُ ۗ فَرَجَعْنَاكَ اِلَىٰ اِمَامِكَ كَيْ  
جب چلتی تھی تیری بہن، پس کہتی تھی وہ، کیا رہنمائی کروں میں تمہاری اس شخص پر جو کفالت کرے اسکی؟ پھر لوٹایا ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف تاکہ  
تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۗ وَكُتِلَتْ نَفْسًا فَجَجَيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا ۚ  
ٹھنڈی ہوا نکھاس کی، اور غم کھائے وہ، اور قتل کیا تھا تو نے ایک نفس کو پس نجات دی ہم نے تجھے غم سے، اور آرمایا ہم نے تجھے (خوب آ زمانا)،  
فَلَبِثْتُ سِنِيْنٌ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتُ عَلٰی قَدَرٍ يُّمُوْسٰى ۙ  
پس ٹھہرا رہا تو کئی سال اہل مدین میں، پھر آیا تو اوپر تقدیر (الہی) کے، اے موسیٰ! ۚ

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۚ

اور خاص کر لیا میں نے تجھے اپنے کام کے لیے ۚ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو  
دین وحی رسالت اور قبولیت دعا سے نوازا..... اس نعمت کا ذکر فرمایا جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی پرورش  
اور ان کو ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں منتقل کرتے وقت عطا کی تھی چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً  
اُخْرٰی﴾ ”اور ہم نے تجھ پر احسان کیا دوسری مرتبہ“ جب ہم نے تیری والدہ کی طرف الہام کیا کہ وہ تجھ کو رضاعت  
کے وقت فرعون کے خوف سے ایک صندوق میں ڈال دے کیونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنے  
کا حکم دے رکھا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو چھپا دیا، انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سخت خوف لاحق  
ہوا چنانچہ انہوں نے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا یعنی دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا  
کہ وہ اس صندوق کو کنارے پر لگا دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا کہ اس صندوق کو اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام  
کا سب سے بڑا دشمن پکڑ لے اور اس کی اپنی اولاد کے ساتھ تربیت حاصل کرے اور جو کوئی اس کو دیکھے اس کی  
آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اسی لئے فرمایا: ﴿وَالْقَبِيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي﴾ ”اور میں نے ڈال دی تجھ پر محبت اپنی طرف سے۔“ یعنی جو کوئی آپ کو دیکھتا محبت کرنے لگتا تھا۔ ﴿وَلْيُصْنَعْ عَلَىٰ عَيْنِي﴾ ”یعنی تاکہ تو میری آنکھوں کے سامنے میری حفاظت میں تربیت حاصل کرے اور رحیم و کریم اللہ کی سرپرستی سے بڑھ کر کس کی کفالت اور دیکھ بھال جلیل القدر اور کامل ہو سکتی ہے جو اپنے بندے کو اس کے مصالح عطا کرنے اور ضرر رساں امور کو اس سے دور کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے؟ پس موسیٰ علیہ السلام ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہی ان کی مصلحت کے مطابق ان کی تدبیر فرماتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر ہی تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام دشمن کے قبضے میں چلے گئے تو ان کی والدہ سخت بے چین ہو گئیں اور ان کا دل رنجیدہ ہو گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھید کھول دیتیں۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تمام دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا۔ انہوں نے کسی عورت کی چھاتی کو منہ نہ لگایا تاکہ معاملہ آخر کار ماں تک پہنچے اور ماں ان کو دودھ پلانے بچہ ماں کے پاس رہے اور ماں مطمئن اور پرسکون ہو اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

فرعون کے کارندے دودھ پلانے والیوں کو ایک ایک کر کے بچے کے پاس لائے مگر اس نے کسی کی چھاتی کو قبول نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آئی اور فرعون اور اسکے کارندوں سے کہنے لگی۔ ﴿هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصِبُونَ﴾ (القصص: ۱۲/۲۸) ”کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کے متعلق نہ بتاؤں جو اسکی کفالت کریں اور اسکی خیر خواہی بھی کریں؟“ چنانچہ اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اسکی ماں کے پاس پہنچا دیا۔

﴿فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا﴾ ”پھر ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹایا تاکہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور تو نے ایک جان قتل کر دیا۔“ وہ مقتول قبطی تھا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے جب شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔ آپ نے دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں ان میں ایک موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا آدمی تھا اور دوسرا انکی دشمن قوم یعنی قبطیوں سے تعلق رکھتا تھا۔ ﴿فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِّنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِّنْ عَدُوِّهِ فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ﴾ (القصص: ۱۵/۲۸) ”جو شخص انکی قوم سے تھا اس نے اس شخص کے خلاف موسیٰ کو مدد کیلئے پکارا جو اسکی دشمن قوم سے تھا موسیٰ نے اسکو ایک گھونسا مارا اور اسکا کام تمام کر دیا۔“ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اللہ تعالیٰ نے انکو بخش دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ دربار کے لوگ انکو تلاش کر رہے ہیں تاکہ انکو قتل کر دیا جائے تو وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔

﴿فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ﴾ ”پس ہم نے تجھ کو نجات دی غم سے“ یعنی گناہ کی سزا اور قتل سے۔ ﴿وَفَتَّنَاكَ فُتُونًا﴾ ”یعنی ہم نے تجھ کو آزمایا اور تجھ کو اپنے تمام احوال میں راست رو پایا یا ہم تجھ کو مختلف احوال و اطوار میں منتقل کرتے رہے یہاں تک کہ تو اپنے اس مقام کو پہنچ گیا جہاں تجھے پہنچنا تھا۔ ﴿فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ﴾ ”پس تو



اہل مدین میں کئی سال رہا۔ یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فرار ہو کر مدین پہنچ گئے اور وہاں انہوں نے نکاح کر لیا اور مدین میں آٹھ یا دس سال رہے۔ ﴿ثُمَّ جِئْت عَلَىٰ قَدَرٍ يُّؤْمِنُ﴾ ”پھر تو آیا تقدیر کے مطابق اے موسیٰ!“ یعنی تو اس مقام پر اتفاقاً بغیر قصد و ارادہ اور بغیر ہماری تدبیر کے نہیں پہنچا بلکہ ہمارے لطف و کرم اور اندازے سے یہاں پہنچا ہے۔

یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی کامل نظر عنایت تھی۔ بناء بریں فرمایا: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ ”اور میں نے تجھ کو پسند کر لیا اپنی ذات کے لیے۔“ یعنی میں نے تجھ پر اپنی نعمتوں کا فیضان کیا اور تجھ کو اپنی خصوصی توجہ اور تربیت سے نوازا تا کہ تو میرا خاص محبوب بندہ بن جائے اور ایسے مقام پر فائز ہو جائے جہاں تک کوئی شاذ و نادر شخص ہی پہنچتا ہے۔ مخلوق میں جب ایک دوست دوسرے دوست کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا دوست اپنے کمال مطلوب میں بلند ترین مقام پر پہنچ جائے تو وہ اس کو اس مقام پہ پہنچانے کے لئے انتہائی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے..... جب مخلوق کا یہ حال ہے تو آپ کا رب قادر و کریم کے بارے میں کیا خیال ہے کہ وہ مخلوق میں سے جس کو اپنا محبوب اور دوست بنانے کے لئے چن لے اس کے ساتھ کیا کرے گا؟

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاٰخُوكَ بِاٰيَتِي وَلَا تَنْبِيَا فِي ذِكْرِي ﴿٢٤﴾ اِذْهَبَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

جاتا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں (معجزے) لے کر، اور نہ سستی کرنا تم دونوں میری یاد میں ○ تم دونوں جاؤ فرعون کی طرف، بلاشبہ وہ

طغی ﴿٢٥﴾ فَقَوْلًا لِّهٖ قَوْلًا لِّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ﴿٢٦﴾ قَالَا رَبَّنَا اِنَّا

سرکش ہو گیا ہے ○ پس کہو تم دونوں اس سے بات نرم، شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے ○ ان دونوں نے کہا، اے ہمارے رب! بلاشبہ تم

نَخَافُ اَنْ یَّفْرِطَ عَلَیْنَا اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّیْ

ڈرتے ہیں اس سے کہ وہ زیادتی کرے ہم پر، یا یہ کہ وہ سرکشی کرے ○ اللہ نے کہا، مت ڈرو تم دونوں، بلاشبہ میں

مَعَكُمْ اَسْمِعْ وَاٰی ﴿٢٨﴾

تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سنتا اور دیکھتا ہوں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دینی اور دنیاوی نعمتوں سے نوازنے کے بعد فرمایا: ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ

وَاٰخُوكَ﴾ ”جاتا تو اور تیرا بھائی۔“ یعنی ہارون علیہ السلام ﴿بِاٰیَتِی﴾ ”میری نشانیاں کے ساتھ۔“ یعنی ان نشانیوں کے ساتھ جائیں جو حق کے حسن اور باطل کی قباحیت پر دلالت کرتی ہیں مثلاً ید بیضا اور عصا سمیت نو معجزات لے کر فرعون اور اس کی اشرافیہ کے پاس جائیں۔ ﴿وَلَا تَنْبِیَا فِی ذِكْرِی﴾ ”اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرو۔“

یعنی میرا ذکر ہمیشہ کرتے رہو اور اس کو دائمی طور پر قائم رکھتے ہوئے کسی سستی کا شکار نہ ہو، میرے ذکر کو لازم بناؤ

جیسا کہ تم دونوں نے خود ان الفاظ میں وعدہ کیا ہے۔ ﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا﴾ (طہ: ۲۰/۳۳-۳۴) اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر تمام معاملات میں مدد و معونت فراہم کر کے ان کو سہل بناتا ہے اور ان معاملات کے بوجھ میں تخفیف کرتا ہے۔

﴿إِذْ هَبَّا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ﴾ ”تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔“ یعنی وہ کفر سرکشی ظلم اور تعدی کی تمام حدود بھلانگ گیا ہے۔ ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ لفظی آداب کا خیال رکھتے ہوئے نرمی کے ساتھ نہایت سہل اور لطیف بات کیجئے، فحش گوئی، ڈینگیں مارنے سخت الفاظ اور درشت افعال سے پرہیز کیجئے۔ ﴿لَعَلَّهُ﴾ شاید وہ اس نرم گوئی کے سبب سے ﴿يَتَذَكَّرُ﴾ نصیحت پکڑے جو اس کو فائدہ دے اور وہ اس پر عمل کرنے لگے ﴿يَخْشَى﴾ اور نقصان دہ چیز سے ڈرے اور اسے ترک کر دے کیونکہ نرم گوئی اس کی طرف دعوت دیتی ہے اور سخت گوئی لوگوں کو اس سے متنفر کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ”نرم گوئی“ کی اپنے ارشاد میں تفسیر بیان کی ہے۔ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ ۝ وَ أَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ﴾ (الزمر: ۱۷۹/۱۸۱/۱۹۱) ”اور اس سے کہئے کہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں تاکہ تو اپنے رب سے ڈرنے لگے؟“ کیونکہ اس قول میں جو نرمی اور آسانی پنہاں ہے اور سختی اور درشتی سے جس طرح پاک ہے غور کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے (ہل) کا لفظ استعمال کیا ہے جو ”عرض“ اور ”مشاورت“ پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی شخص نفرت نہیں کرتا اور اسے ہر قسم کی گندگی سے تطہیر اور تزکیہ کی طرف بلایا ہے۔ جس کی اصل شرک کی گندگی سے تطہیر ہے جسے ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا (اُذْكَبِك) ”میں تجھے پاک کروں“ بلکہ فرمایا: (تَزْكَىٰ) یعنی ”تو خود پاک ہو جائے۔“

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس کے رب کی طرف بلایا جس نے اس کی پرورش کی اور اسے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا جن پر شکر اور ذکر کرنا چاہیے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَ أَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ﴾ (الزمر: ۱۷۹/۱۸۱/۱۹۱) ”اور تاکہ میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں تاکہ تو اپنے رب سے ڈرنے لگے۔“ جب فرعون نے اس کلام نرم و نازک کو قبول نہ کیا، جس کا حسن دلوں کو پکڑ لیتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو وعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پکڑ لیا جس طرح ایک غالب اور مقتدر ہستی پکڑتی ہے۔

﴿قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يُفْرَطَ عَلَيْنَا﴾ ”دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے۔“ یعنی کہیں وہ ہمیں عقوبت میں نہ ڈال دے اور تیرا پیغام پہنچانے اور اس پر حجت قائم کرنے سے پہلے ہی کہیں ہمیں کسی تعذیب میں مبتلا نہ کر دے ﴿أَوْ أَنْ يُطْغَىٰ﴾ یا وہ حق کے خلاف تکبر سے اقتدار





اس بارے میں جھگڑا کیا۔

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُؤْمِنُ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ﴿٤٠﴾

فرعون نے کہا، پس کون ہے رب تم دونوں کا؟ اے موسیٰ اور ہمارا رب وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو شکل و صورت انکی، پھر سوچو بوجھو دی

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿٤١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي

فرعون نے کہا، پس کیا حال ہے پہلی امتوں کا؟ موسیٰ نے کہا، ان کا علم میرے رب کے پاس ہے لوح محفوظ میں، نہیں بھٹکتا میرا رب

وَلَا يَنْسَى ﴿٤٢﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَوَسَّلَكَ لَكُمُ فِيهَا سُبُلًا وَانزَلَ

اور نہ وہ بھولتا ہے وہ ذات جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا، اور اس نے بنادینے تمہارے (چلنے کے) لئے اس میں راستے، اور نازل کیا

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَآخَرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ ثِبَاتٍ شَتَّىٰ ﴿٤٣﴾ كُلُّوْا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۖ

آسمان سے پانی، پھر نکالیں ہم نے اس کے ذریعے سے کئی اقسام کی نباتات مختلف (خود بھی) کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْأُولَىٰ السُّهُىٰ ﴿٤٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ

بی شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں عقل مندوں کیلئے اسی زمین سے ہم نے پیدا کیا تمہیں، اور اسی میں ہم (دوبارہ) لوٹائیں گے تمہیں،

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴿٤٥﴾

اور اسی میں سے ہم نکالیں گے تمہیں ایک بار پھر ○

یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے انکار کے طور پر کہا: ﴿فَمَنْ رَبُّكُمَا يُؤْمِنُ﴾ ”تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟“ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت واضح اور کافی وشافی جواب دیا۔ فرمایا: ﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ﴾ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر مخلوق کو اپنی حسن تخلیق، حسن صنعت اور اس کی ضرورت کے مطابق وجود عطا کیا، مثلاً کسی کو بڑا، کسی کو چھوٹا اور کسی کو متوسط جسم عطا کیا اور یہی حال تمام صفات کا ہے۔

﴿ثُمَّ هَدَىٰ﴾ ”پھر اس نے رہنمائی کی۔“ یعنی ہر مخلوق کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کی طرف اس نے اس کی راہنمائی کی۔ اس ہدایت کامل کا تمام مخلوقات میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر مخلوق جس منفعت کے لئے تخلیق کی گئی ہے اس کے حصول اور مضرت کے دور کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بھی عقل عطا کی جس کے ذریعے وہ ان امور کے حصول پر متمکن ہوتے ہیں اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے۔ ﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ﴾ (السجدة: ۷/۳۲) ”جس نے ہر چیز کو بہترین طریقے سے تخلیق کیا۔“ وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں ایسی بہترین تخلیق عطا کی کہ عقل انسانی اس سے زیادہ خوبصورت تخلیق پیش نہیں کر سکتی اور وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات میں ان کے مصالح کی طرف راہنمائی و ہدایت کی، وہی حقیقت میں رب کائنات ہے۔ اس رب کا انکار سب سے بڑی چیز کے وجود کا



انکار کرنا ہے اور یہ حقیقت کا انکار اور صریح جھوٹ ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انسان نے بعض ایسے امور کا انکار کیا ہے جو یقینی طور پر معلوم ہیں تو ان کا رب کائنات کا انکار کرنا سب سے بڑا انکار ہے اس لئے جب فرعون اس قطعی دلیل کا مقابلہ نہ کر سکا تو اصل مقصد سے ہٹ کر جھگڑنے پر اتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا: ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾ یعنی پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا معاملہ ہے اور ان کی کیا خبر اور کیا حال ہے؟ ان لوگوں نے تو ہم سے پہلے حق کا انکار کر کے کفر، ظلم اور عناد کا ارتکاب کیا، کیا وہ ہمارے لئے نمونہ ہیں؟

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عَلَيْهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اچھے برے تمام اعمال کو شمار کر کے اپنی کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ علم و خبر کے اعتبار سے اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے کوئی چیز اس کے شمار کرنے اور لکھنے سے چھوٹی نہیں اور نہ کوئی چیز اسے بھولتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے جو بھی اعمال آگے بھیجے ہیں قیامت کے روز انہیں ان اعمال کا سامنا کرنا ہوگا اور ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا..... اس لئے اے فرعون! ان کے بارے میں تیرے اس سوال اور استفہام کا کوئی معنی نہیں۔ وہ ایک امت تھی جو گزر گئی ان کے اعمال ان کے لئے ہیں اور تم جو عمل کرو گے وہ تمہارے لئے ہے۔ اس لیے وہ دلیل جو ہم نے تیرے سامنے پیش کی ہے اور وہ نشانیاں جو ہم تجھے دکھا چکے ہیں اگر تجھے پران کی صداقت متحقق ہو چکی ہے تو حق کے سامنے تسلیم خم کر دے۔ کفر، ظلم اور باطل کے ذریعے کثرتِ جدال کو چھوڑ دے اور اگر تجھے اس بارے میں کوئی شک ہے اور تجھے اس پر یقین نہیں ہے تو بحث کا دروازہ کھلا ہوا ہے دلیل کا جواب دلیل سے اور برہان کا جواب برہان سے ہونا چاہیے اور جب تک دن رات باقی ہیں تو کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس نے ان آیات کا ان کی صداقت کا قائل ہونے کے بعد انکار کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ (النمل: ۱۴/۲۷) ”انہوں نے ان آیات کا ان کا قائل ہونے کے بعد ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کیا۔“ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا أَنْزَلْنَا هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۲/۱۷) ”تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نازل نہیں کیں۔“ تب معلوم ہوا کہ فرعون اپنی بحث و جدال میں ظلم کا مرتکب ہوا اور اس کا مقصد محض زمین میں تغلب کا حصول تھا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں اور احسانات کا ذکر کر کے اس دلیل قاطع کو ان پر لازم کر دیا چنانچہ فرمایا: ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا﴾ یعنی اس نے زمین کو تمہارے لئے پچھونا بنایا تم اس سے سکون و قرار حاصل کرتے ہو اس پر عمارتیں تعمیر کرتے ہو باغات لگاتے ہو زراعت کے لئے اس میں ہل چلاتے ہو اور

ان تمام کاموں کے لئے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور وہ تمہارے لئے تمہارے فوائد اور مصالح فراہم کرنے سے انکار نہیں کرتی ﴿وَسَلَّكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا﴾ یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچانے کے لئے تمہارے لئے زمین میں راستے بنائے یہاں تک کہ انسان تمام روئے زمین پر ہر جگہ آسانی سے پہنچنے پر قادر ہیں اور وہ اپنے گھروں میں قیام پذیر رہ کر جو فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی نسبت اپنے سفروں میں زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

﴿وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْجَنَّا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْ ثَبَاتٍ شَتَّى﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش برساتی ﴿فَأَخْبَا بِهٖ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (البقرة: ۱۶۴/۱۶۵) ”اور اس بارش سے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو زندہ کیا۔“ پھر اس بارش کے ذریعے سے مختلف انواع، مختلف اشکال اور مختلف احوال کے مطابق نباتات کی بہت سی اصناف پیدا کیں پھر اس نباتات سے ہمارے لئے اور ہمارے موسیخوں کے لئے رزق فراہم کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو روئے زمین کے تمام انسان اور حیوان ہلاک ہو جاتے۔

اس لئے فرمایا: ﴿كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ﴾ ”تم کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو چراؤ۔“ اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر اس آیت کریمہ کو بیان فرمایا ہے تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ تمام نباتات مباح ہیں اور ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں سوائے ضرر رساں نباتات کے مثلاً زہر وغیرہ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى﴾ یعنی اس میں پختہ عقل اور فکر راست رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، اس کے احسان، اس کی رحمت، اس کے بے پایاں جود و سخا اور اس کی عنایت کامل کی نشانیاں ہیں اور یہ اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ وہی رب معبود اور وہی مالک محمود ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ حمد و مدح اور ثناء کا اس ہستی کے سوا کوئی مستحق نہیں جس نے یہ تمام نعمتیں عطا کی ہیں، نیز یہ اس امر پر بھی دلیل ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس نے جس طرح زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا اسی طرح وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں عقل مندوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل مند لوگ ہی ان نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر لوگ بہائم اور چوپایوں کی مانند ہیں وہ ان نشانیوں کو عبرت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور نہ ان کی بصیرت کو ان نشانیوں کے مقاصد تک رسائی حاصل ہے بلکہ ان کے لیے ان نشانیوں میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا بہائم (چوپایوں) کا ہے۔ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور ان کے دل غافل اور جسم اعراض کرنے والے ہیں۔ ﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ (یوسف: ۱۰۵/۱۰۶) ”زمین اور آسمان میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے ان کا گزر ہوتا ہے مگر یہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔“



جب اللہ تعالیٰ نے زمین کی نفاست و فیاضی اور اللہ تعالیٰ کے اس پر بارش برسانے کے سبب اس کے حسن شکر کا ذکر کیا نیز بیان فرمایا کہ زمین اپنے رب کے حکم سے مختلف اقسام کی نباتات اگاتی ہے..... تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے ہمیں زمین سے پیدا کیا ہمارے مرنے کے بعد ہمیں زمین ہی کی طرف لوٹائے گا اور ہمیں زمین میں دفن کر دے گا اور ایک مرتبہ پھر وہ ہمیں زمین سے نکال کھڑا کرے گا۔ پس جس طرح وہ ہمیں عدم سے وجود میں لایا..... اور یہ حقیقت ہمیں معلوم اور ہمارے سامنے متحقق ہے..... اسی طرح ہمارے مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔ اور مرنے کے بعد اعادۂ حیات پر یہ دونوں دلیلیں واضح اور عقلی دلیلیں ہیں۔

۱۔ زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس میں سے نباتات کو دوبارہ نکالنا۔

۲۔ مکلفین کو زمین میں سے نکال کر دوبارہ وجود میں لانا۔

وَلَقَدْ اَرَيْنَاهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی ۵۹ قَالَ اٰجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا

اور البتہ تحقیق دکھائیں ہم نے اس کو نشانیاں اپنی سب، پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا اس نے کہا، کیا آیا ہے تو ہمارے پاس تاکہ تو نکال دے ہمیں

مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰی ۶۰ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرِ مِثْلِهِ فَاَجْعَلْ بَيْنَنَا

ہماری زمین سے اپنے جادو کے ذریعے سے؟ اے موسیٰ! سوال دیتے ہم ضرور لائیں گے تیرے پاس جادو اس جیسا ہی، پس مقرر کر تو ہمارے درمیان

وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا سُوٰی ۶۱ قَالَ مَوْعِدُكُمْ

اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت کہ نہ خلاف کریں اس کا ہم اور نہ تو، جگہ ہو ہمارا موسیٰ نے کہا، تمہارا وعدہ ہے

یَوْمَ الرِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحٰی ۶۲ فَتَوَلٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ کَیْدَهُ ثُمَّ

دن زینت (جشن) کا اور یہ کہ اکٹھے کئے جائیں لوگ چاشت کے وقت ○ پس لوٹا فرعون اور جمع کیا اپنا کمر (و فریب کا سامان) پھر

اٰتٰی ۶۳ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰی وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ کِذْبًا فِیْ سِحْرِکُمْ

وہ آگیا ○ کہا ان (جادوگروں) سے موسیٰ نے، ہلاکت ہو تمہارے لئے نہ باندھو تم اللہ پر جھوٹ، پس وہ تباہ کر دے گا تمہیں

بِعَذَابٍ وَّ قَدْ خَابَ مِّنْ اِفْتِرَآیْ ۶۴

ساتھ عذاب کے، اور تحقیق ناکام ہوا وہ جس نے جھوٹ باندھا ○

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے فرعون کو عیانی، آفاقی اور نفسی تمام اقسام کی نشانیاں دکھائیں مگر وہ درست ہوا نہ کفر سے باز آیا بلکہ اس نے ان کو جھٹلایا اور روگردانی کی۔ اس نے رسول کی دی ہوئی خبر کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ کے امر و نہی سے اعراض کیا، اس نے حق کو باطل اور باطل کو حق بنایا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے باطل دلائل کے ذریعے سے جھگڑا کیا۔ پس اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ ﴿اٰجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ﴾ کیا تو ہمارے

پاس اس لیے آیا ہے کہ تو ہم کو ہماری زمین سے نکال دے۔“ فرعون سمجھتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزات دکھائے ہیں، وہ محض جادو کا کرشمہ اور شعبدہ بازی ہے اور ان کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ فرعون کی قوم کو مصر کی سرزمین سے نکال کر خود قبضہ کیا جائے اور تاکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام ان کی قوم کے دلوں کو متاثر کرے کیونکہ انسانی طبیعت اپنے وطن کی طرف مائل ہوتی ہے وطن سے نکلنا اور اس سے جدا ہونا اس کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے۔ پس فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصد سے آگاہ کیا تاکہ وہ ان کے خلاف ہو جائیں اور ان کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم بھی تمہارے جادو جیسا جادو دکھا سکتے ہیں ہمیں کچھ مہلت دو۔ ﴿مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى﴾ اور طے کر دے کہ کب اور کہاں مقابلہ کرنا ہے یعنی اس کا ہمیں بھی علم ہو اور تمہیں بھی۔ یا کوئی ہموار میدان ہو جہاں ان کرتبوں کا مشاہدہ ممکن ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ﴾ ”زینت (جشن) کے دن کا تم سے وعدہ ہے۔“ یہ دن ان کی عید کا دن تھا۔ جس میں وہ اپنے کام کاج سے فارغ ہوتے تھے اور تمام مشاغل منقطع کر دیتے تھے۔ ﴿وَأَنَّ يُحْشَرَ النَّاسَ ضُحًى﴾ یعنی چاہشت کے وقت تمام لوگوں کو جمع کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ مطالبہ اس لئے کیا تھا کیونکہ ان کے جشن کا وقت دن چڑھے ہوتا تھا۔ اس جشن میں لوگ کثیر تعداد میں کھٹے ہوتے تھے نیز اس وقت اشیاء کے حقائق کا صاف طور پر مشاہدہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے وقت نہیں ہو سکتا۔ ﴿فَقَتُولِي فِرْعَوْنَ فَجَمَعَ كَيْدَهُ﴾ یعنی اس نے وہ تمام وسائل جمع کر لئے جن کے ذریعے سے وہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف چال چل سکتا تھا۔ اس نے تمام شہروں میں اپنے ہر کارے دوڑا دیئے تاکہ وہ ماہر جادو گروں کو اکٹھا کریں۔ اس زمانے میں جادو بہت عام تھا اور لوگ اس کا علم حاصل کرنے میں بہت رغبت رکھتے تھے۔ فرعون نے جادو گروں کا ایک جم غفیر اکٹھا کر لیا۔ دونوں گروہ مقررہ مقام پر آگئے اور لوگ اس مقام پر اکٹھے ہو گئے۔ اجتماع بہت بڑا تھا وہاں مرد، عورتیں، امراء، اشراف، عوام اور چھوٹے بڑے سب لوگ مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے انہوں نے لوگوں کو ترغیب دے کر جمع کیا تھا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا: ﴿هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ۚ لَعَلْنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمْ الْغَالِبِينَ﴾ (الشعراء: ۳۹/۲۶) ”کیا تم اجتماع میں اکٹھے ہو گے؟ تاکہ اگر جادوگر غالب رہے تو ہم ان کی پیروی کریں۔“ جب جادوگر تمام شہروں سے اکٹھے ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وعظ و نصیحت کی اور ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَيَنْكُرُ لَّا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾ یعنی اپنے جادو کے ذریعے سے اپنے باطل مسلک کی مدد کر کے حق پر غالب آنے کی کوشش نہ کرو اور نہ اللہ تعالیٰ پر افترا پر دازی کرو ورنہ عذاب الہی تمہیں تباہ کر دے گا۔ تمہاری کوشش اور تمہاری بہتان طرازی ناکام ہو جائے گی اور تمہیں فتح و نصرت اور فرعون اور اس کے درباریوں کے ہاں کوئی عزت و جاہ حاصل نہیں ہوگی اور تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے۔



فَتَنَّا زَعْوًا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَى ۝۳۵ قَالُوا إِنَّ هَٰذِهِ لَسِحْرَانِ  
 پس انہوں نے جھگڑا کیا اپنے معاملے میں، آپس میں اور چپکے چپکے کیا انہوں نے مشورہ ۝ انہوں نے کہا، بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں،  
 يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ  
 یہ دونوں چاہتے ہیں یہ کہ نکال دیں تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے ذریعے سے، اور لے جائیں (برباد کر دیں) تمہارا طریقہ  
 الْمَشْلِ ۝۳۶ فَاجْبِعُوا لَكُم كَيْدَكُم ثُمَّ اتُّوَصَفَاءُ ۝۳۷ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَى ۝۳۸  
 عمدہ ۝ پس پختہ کر لو تم تدبیریں اپنی، پھر آ جاؤ تم صف باندھ کر، اور تحقیق کامیاب تمہارا آج کے دن جو غالب آیا ۝  
 قَالُوا يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ تَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ۝۳۹ قَالَ بَلْ أَتَقُولُ  
 انہوں نے کہا، اے موسیٰ! یا یہ کہ تو ڈالے، یا پھر ہم ہی ہوں پہلے ڈالنے والے ۝ موسیٰ نے کہا، بلکہ تم ہی ڈالو (انہوں نے ڈالیں)  
 فَإِذَا جَاءَهُمْ وَعَصِيَّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝۴۰  
 تو ناگہاں انکی رسیاں اور انکی لٹھیاں، خیال میں ڈالا گیا اس (موسیٰ) کے، انکے جادو کی وجہ سے کہ بے شک وہ دوڑ رہی ہیں ۝  
 فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝۴۱ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ۝۴۲ وَأَلْقِ  
 پس محسوس کیا اپنے دل میں خوف موسیٰ نے ۝ ہم نے کہا، مت ڈرتو، بلاشبہ تو ہی غالب ہے ۝ اور ڈال تو (اپنی لٹھی)  
 مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۝۴۳ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سِحْرٌ وَلَا يُفْلِحُ  
 جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ نگل جائے گی اسکو جو کچھ انہوں نے بنایا ہے، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے، غریب ہے جادوگر کا اور نہیں کامیاب ہوتا  
 السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ۝۴۴ فَالْقَى السَّحْرَةَ سَجْدًا قَالُوا أَمِنَّا بِرَبِّ هَرُونَ  
 جادوگر جس جگہ بھی (حق کے مقابل) آئے ۝ پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدے میں (اور) انہوں نے کہا، ہم ایمان لائے رب پر ہارون  
 وَمُوسَىٰ ۝۴۵ قَالَ أَمِنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنَىٰ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي  
 اور موسیٰ کے ۝ فرعون نے کہا، (کیا) تم ایمان لائے ہو اس پر پہلے اس سے کہ میں اجازت دوں تمہیں؟ بلاشبہ وہ موسیٰ البتہ بڑا ہے تمہارا، وہ جس نے  
 عَلَّمَكُمُ السَّحْرَ فَلَا قُطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَلَا وُصْلَ بَيْنَكُمْ  
 سکھایا تمہیں جادو، پس البتہ ضرور کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں ایک دوسرے کی مخالف جانب سے اور البتہ ضرور سولی دوں گا میں تمہیں  
 فِي جُدُوعِ النَّخْلِ وَلِتَعْلَمَنَّ أَيْنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۝۴۶ قَالُوا  
 تنوں پر بھجور کے، اور یقیناً تم جان لو گے کہ کون ہم میں سے زیادہ سخت ہے عذاب دینے میں، اور زیادہ باقی رہنے والا؟ ۝ انہوں نے کہا،  
 لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرْنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ  
 ہرگز نہیں ترجیح دیں گے ہم تجھے ان پر جو آئیں ہمارے پاس واضح دلیلیں، اور اس ذات پر جس نے پیدا کیا ہمیں پس کر لے تو جو کچھ بھی تو  
 قَاضٍ ۝۴۷ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝۴۸ إِنَّا أَمِنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا  
 کر سکتا ہے، پس تو تو حکم چلا سکتا ہے اس زندگانی دنیا پر ۝ بلاشبہ ہم ایمان لائے ساتھ اپنے رب کے تاکہ وہ بخش دے ہمارے لئے

خَطِينًا وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰ ۝۴۱

ہماری خطائیں اور وہ (جزم) بھی کہ مجبور کیا تھا تو نے ہمیں اس پر (یعنی) جادو کرنے کا اور اللہ بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○  
کلام حق دلوں کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ کی بات سنی تو ان جادوگروں کے درمیان باہم نزاع اور جھگڑا برپا ہو گیا۔ ان کے درمیان نزاع کا سبب شاید یہ اشتباہ تھا کہ آیا موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں یا نہیں؟ مگر اس وقت تک ان کے درمیان اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا..... تاکہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کو ظہور میں لے آئے جس کا وہ فیصلہ کر چکا ہے۔ ﴿لَيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال: ۴۲/۸) ”تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔“ اس وقت انہوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کر دیں کہ وہ ایک موقف پر متفق ہو جائیں تاکہ اپنے قول و فعل میں کامیابی سے ہمکنار ہوں اور لوگ ان کے دین کی پیروی کریں۔

وہ سرگوشی جو وہ آپس میں کر رہے تھے اس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُم مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمْ﴾ ”انہوں نے کہا“ یہ دونوں جادوگر ہیں جو تمہیں اپنے جادو کے ذریعے سے تمہاری زمین سے نکالنا چاہتے ہیں۔“ ان کا یہ قول فرعون کے قول کی مانند ہے جو گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ یا تو فرعون اور جادوگروں میں بغیر کسی قصد کے اس قول پر اتفاق ہوا یا فرعون نے ان جادوگروں کو اس قول کی تلقین کی جس کا اس نے لوگوں کے سامنے اظہار کیا تھا اور لوگوں سے کہلوا یا تھا چنانچہ جادوگروں نے فرعون کی بات پر اضافہ کرتے ہوئے کہا: ﴿وَيَذٰهَبًا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمَثَلٰى﴾ ”اور تمہارے بہترین طریقے کو ختم کر دیں۔“ یعنی تمہارا جادو کا طریقہ جس پر موسیٰ علیہ السلام تمہارے ساتھ حسد کرتا ہے اور تم پر غالب آنا چاہتا ہے تاکہ اسے خیر اور شہرت حاصل ہو اور اس علم کا مقصد بھی یہی ہے جس میں تم ایک زمانے سے مشغول ہو۔ موسیٰ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے جادو کو ختم کر دے جو تمہارا ذریعہ معاش ہے جس کی وجہ سے تمہیں ریاست ملی ہوئی ہے۔ یہ جادوگروں کی ایک دوسرے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آنے کے لئے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ترغیب ہے اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ﴿فَاَجْمَعُوْا كَيْدَكُمْ﴾ ”پس تم اپنا دوا اکٹھا کرو۔“ یعنی اپنی رائے اور بات پر متفق ہو کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے یکبارگی موسیٰ پر غلبہ حاصل کر لو۔ ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ اَصْفٰٓءٌ﴾ ”پھر آؤ تم صف بندی کر کے۔“ تاکہ تم بہتر طریقے سے اپنا کام کر سکو اور دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھ جائے اور تاکہ تم میں سے کوئی اس کام کو نہ چھوڑے جس کی وہ قدرت رکھتا ہے اور یاد رکھو! جو آج کامیاب ہو کر اپنے مد مقابل پر غالب آ گیا وہی فوز و فلاح کے مقام پر فائز ہے آج کی کامیابی پر مستقبل کی تمام کامیابیوں کا دار و مدار ہے۔

وہ اپنے باطل میں کتنے سخت تھے حق کے خلاف سازشوں میں انہوں نے ہر قسم کا سبب اور وسیلہ استعمال کیا مگر



اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو مکمل اور حق کو باطل پر غالب کر کے رہنے والا ہے۔ پس جب ان کی سازش مکمل ہو گئی اور ان کا قصد منحصر ہو گیا اور عمل کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ ﴿قَالُوا يَبْسُوتُنِي اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ﴾ ”انہوں نے کہا“ اے موسیٰ! تو تو پہلے ڈال۔“ یعنی اپنا عصا ﴿وَاِمَّا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقَى﴾ ”یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔“ انہوں نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ ہر حالت میں غالب آئیں گے موسیٰ علیہ السلام کو ابتدا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿بَلْ اَلْقُوا﴾ ”بلکہ تم ہی ڈالو۔“ پس انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں ﴿فَاِذَا جَاءَهُمْ وَعَصِيْهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِمْ﴾ ”یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں (حضرت) موسیٰ کو یوں محسوس ہوئیں“ ﴿مِنْ سِحْرِهِمْ﴾ ان کے بہت بڑے جادو کے زور سے ﴿اَنَّهُمْ تَسْعٰی﴾ ”کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔“

جب موسیٰ علیہ السلام کو رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر چلتی ہوئی محسوس ہوئیں ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسٰی﴾ تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے جیسا کہ طبیعت بشری کا تقاضا ہے ورنہ حقیقت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ ﴿قُلْنَا﴾ ان کو ثابت قدم اور مطمئن رکھنے کے لئے ہم نے کہا: ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی﴾ ”ڈر نہ تو ہی غالب ہوگا“ یعنی تو ہی ان پر غالب رہے گا اور وہ ہار مان کر تیرے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔ ﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ﴾ یعنی اپنا عصا زمین پر پھینک دے ﴿تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدٌ سٰحِرٌ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰی﴾ ”وہ نگل جائے گا وہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے۔ ان کا کیا ہوا جادو گر کا کرتب ہے۔ اور جادو گر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔“ یعنی ان کی سازش اور ان کی چال ان کے لئے بار آور نہ ہوگی اور اس سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ یہ ان جادو گروں کا فریب اور شعبدہ بازی ہے جو لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ وہ باطل کا لبادہ اوڑھے ہوتے ہیں مگر ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا اور وہ ان جادو گروں کے بناوٹی سانپوں کو نگل گیا اور لوگ اس سارے کرشمے کو دیکھ رہے تھے۔ تب جادو گروں کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ جادو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزہ ہے پس وہ فوراً ایمان لے آئے۔ ﴿فَالْتَقَى السَّحَرَةُ سُجُوْدًا قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوسٰی وَهٰرُوْنَ﴾ (الشعراء: ۶۶، ۶۷، ۶۸) ”پس گر گئے جادو گر سجدے میں اور کہا ہم رب کائنات پر ایمان لے آئے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے۔“ پس اس بھرے مجمع میں حق ظاہر اور روشن ہو گیا اور مکر و فریب اور جادو باطل ہو گیا اور یہ چیز اہل ایمان کے لئے ایک واضح دلیل اور رحمت بن گئی اور معاندین حق پر حجت قائم ہو گئی۔

﴿قَالَ﴾ فرعون نے جادو گروں سے کہا: ﴿اٰمَنْتُمْ لَهَا قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ لَكُمْ﴾ ”یعنی مجھ سے پوچھے اور میری اجازت کے بغیر تم نے ایمان لانے کا اقدام کیسے کر لیا؟ چونکہ وہ اپنے ہر معاملے میں فرعون کے مطیع تھے اور اس کا نہایت ادب کرتے تھے اس لئے فرعون کو ان کا ایمان لانا بڑا عجیب سا لگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس معاملے میں بھی اس کی

اطاعت کریں گے۔ اس دلیل اور برہان کو دیکھ لینے کے بعد فرعون اپنے کفر اور سرکشی میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہ بات کہہ کر اس نے اپنی قوم کی عقل کو اپنی اس بات سے ماؤف کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں پر جو غلبہ حاصل ہوا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ حق موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے بلکہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا گٹھ جوڑ ہے انہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو ان کی زمین سے باہر نکالنے کے لئے سازش کی ہے۔ پس فرعون کی قوم نے مکرو فریب پر مبنی اس موقف کو سچ سمجھ کر قبول کر لیا۔ ﴿فَاسْتَحَفَّ قَوْمَهُ فَاَطَاعُوهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فَسِیْقِیْنَ﴾ (الزخرف: ۵۴/۵۳) ”اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلکا کر دیا اور انہوں نے اس کی بات مان لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔“

فرعون کی یہ بات کسی آدمی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی جو رتی بھر عقل اور واقعہ کی معرفت رکھتا ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے تشریف لائے تو وہ تنہا تھے جب وہ مصر پہنچے تو وہ کسی جادوگر یا غیر جادوگر سے نہیں ملے بلکہ وہ فرعون اور اس کی قوم کو دعوت دینے کے لئے جلدی سے اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے معجزات دکھائے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا اور امکان بھر کوشش کی چنانچہ ہر کارے بھیج کر تمام شہروں سے ماہر جادوگر اکٹھے کر لئے۔ اس نے جادوگروں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ موسیٰ پر غالب آ گئے تو وہ انہیں بہت بڑا معاوضہ اور قدر و منزلت عطا کرے گا۔ چونکہ وہ بہت زیادہ لالچی تھے اس لئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے مکرو فریب کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ کیا اس صورتحال میں یہ تصور کرنا ممکن ہے کہ جادوگروں اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خلاف سازش کر لی ہو اور جو کچھ پیش آیا اس پر پہلے سے اتفاق کر لیا ہو۔ یہ محال ترین بات ہے۔

پھر فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا: ﴿فَاَلَمْ تَقْطَعْنَ اَیْدِیْكُمْ وَاَجْعَلْكُمْ مِنْ خِلَافٍ﴾ ”پس میں ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پیرائے سیدھے“ جیسے فساد برپا کرنے والے محارمین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جاتا ہے۔ ﴿وَلَا وَصَلْبَیْكُمْ فِیْ جُدُوْع النَّخْلِ﴾ یعنی تمہاری رسوائی اور اس کی تشمیر کی خاطر تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دے دوں گا۔ ﴿وَلَتَعْلَمْنَ اَیْنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَنْفٰی﴾ ”اور تم جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور پائدار ہے۔“ یعنی فرعون اور اس کے گروہ کا یہ گمان تھا کہ فرعون کا عذاب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے زیادہ سخت حقائق کو بدلنے اور بے عقل لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے زیادہ دیر پا ہے اس لئے جب جادوگروں نے حق کو پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل دے دی جس کی بناء پر انہوں نے حقائق کا ادراک کر لیا تو انہوں نے جواب دیا۔ ﴿کُنْ نُّؤْثِرُكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ﴾ ”ہم ہر گز تجھ کو ترجیح نہیں دیں گے ان دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں۔“ جو اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ اکیلا ہی رب ہے وہ اکیلا ہی معظم اور معزز ہے اور اس کے سوا (دوسرے تمام) معبود باطل ہیں۔ تجھے ہم اس ہستی



پر ترجیح دیں جس نے ہمیں پیدا کیا؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ ﴿فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ﴾ ”پس تو جو کر سکتا ہے کر لے۔“ یعنی جن باتوں سے تو نے ہمیں ڈرایا ہے، ہاتھ پیر کاٹنے سے، سولی پر چڑھانے سے یا اور سخت سزائے، وہ تودے کر دیکھ لے۔ ﴿اِنَّمَا تُقْضِي هَذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ تو ہمیں جس تعذیب کی دھمکی دیتا ہے اس کی غایت و انتہاء یہ ہے کہ تو صرف اس دنیا میں ہمیں عذاب دے سکتا ہے جو ختم ہو جانے والا ہے یہ عذاب ہمیں کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ اس کے برعکس اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کا دائمی عذاب ہے جو اس کا انکار کرتا ہے۔ یہ گویا فرعون کے اس قول کا جواب ہے۔ ﴿وَلَتَعْلَمَنَّ اَيُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَنْفٰی﴾

جادوگروں کے اس کلام میں اس بات کی دلیل ہے کہ عقل مند کے لئے مناسب ہے کہ وہ دنیا کی لذتوں اور آخرت کی لذتوں، دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب کے مابین موازنہ کرے۔ ﴿اِنَّا اَمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا﴾ ”ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے۔“ یعنی ہمارے کفر اور ہمارے گناہوں کو اس لیے کہ ایمان برائیوں کا کفارہ ہے اور توبہ پچھلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے ﴿وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ﴾ ”اور اس جادو کو بھی معاف کر دے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا۔“ یعنی وہ جس سے ہم نے حق کا مقابلہ کیا۔ جادو گروں کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے خود اختیاری سے جادو کا کام نہیں کیا تھا بلکہ فرعون نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔

ظاہر ہوتا ہے واللہ اعلم کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے ﴿وَيَكْفُرُوا عَلٰی اللّٰهِ كُفْرًاۙ فَيُسْجَنُكُمْۙ بَعْدَ اٰیٍ﴾ (طہ: ۶۱/۲۰) ”کم بخنثو! اللہ پر بہتان طرازی نہ کرو ورنہ وہ کسی عذاب کے ذریعے سے تمہاری جڑ کاٹ دے گا۔“ تو آپ کی نصیحت نے جادوگروں کو متاثر کیا اور ان کے دلوں میں جاگزین ہو گئی، اس لئے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کے بعد ان کے درمیان اختلاف اور تنازع پیدا ہوا لیکن فرعون نے ان جادوگروں کو اس مکر و فریب پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کر دیا، اسی لئے انہوں نے جادو کے کرتب دکھانے سے پہلے فرعون کی بات دہرائی ﴿اِنْ هٰذٰیۙنَ لَسٰجِدٰنِ یُرِیْدٰنَ اَنْ یُّخْرِجَکُمْۙ مِنْ اَرْضِکُمْۙ بِسِحْرِہِمَا﴾ یہ کہہ کر وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے جس پر فرعون نے ان کو مجبور کیا تھا۔ شاید یہی نکتہ تھا کہ باطل کے ذریعے سے حق کی معارضت کی ناپسندیدگی ان کے دلوں میں جاگزین ہو گئی تھی..... انہوں نے جو کام سرانجام دیا وہ انہوں نے اغماض برتتے ہوئے سرانجام دیا..... اسی نکتہ نے ان کے دلوں کو متاثر کیا، اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو ایمان اور توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔

انہوں نے کہا تو نے جو اجر و منزلت اور عزت و جاہ کا ہم سے وعدہ کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ

ثواب بہتر ہے اور فرعون کے اس قول کی نسبت اللہ تعالیٰ کا ثواب اور احسان باقی رہنے والا ہے۔ ﴿وَلَتَعْلَمَنَّ اَيُّنَا

اَشَدُّ عَذَابًا وَاَنْفٰی ﴿﴾ فرعون کی مراد یہ تھی کہ اس کا عذاب زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ وہاں جادوگروں کے واقعے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ فرعون نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی دینے کی دھمکی دی تھی مگر یہ ذکر نہیں فرمایا کہ اس نے اپنی اس دھمکی پر عمل کیا تھا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔ اس دھمکی پر عمل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی حتمی بات کہنا دلیل پر موقوف ہے (جو موجود نہیں) واللہ تعالیٰ اعلم مگر اس نے اپنے اقتدار کے بل بوتے پر ان کو جو دھمکی دی تھی وہ اس پر عمل کی دلیل ہے۔ کیوں کہ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرمادیتا۔ ناقلین کا اس پر اتفاق ہے۔

اِنَّهُ مِنْ يَّاتٍ رَبِّهِ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰی ﴿۶۷﴾  
بے شک جو شخص آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم بن کر، تو بلاشبہ اس کے لیے جہنم (تیار) ہے، نہ مرے گا وہ اس میں اور نہ جئے گا ○  
وَمَنْ يَّاتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّٰلِحٰتِ فَلُوْلٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ﴿۶۸﴾  
اور جو شخص آئے گا اس کے پاس مومن ہو کر، جبکہ اس نے عمل کئے ہوں نیک، تو یہ لوگ، ان کے لئے ہیں درجے بلند ○  
جَنَّتْ عَدْنٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط  
(یعنی) باغات بیکھری کے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں،

وَذٰلِكَ جَزَاؤُا مَنْ تَزَكٰى ﴿۶۹﴾

اور یہی ہے جزا اس شخص کی جو پاک ہو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ جو کوئی مجرم کی حیثیت سے اس کے حضور حاضر ہوتا ہے یعنی وہ ہر لحاظ سے مجرمانہ صفات سے متصف ہے جو کفر کو مستلزم ہے اور وہ مرتے دم تک اس پر جمار ہوتا ہے اس کی سزا جہنم ہے جس کا عذاب بہت ہی سخت جس کی چٹھڑیاں بہت بڑی جس کی گہرائی بہت زیادہ اور جس کی گرمی اور سردی بہت المناک ہوگی اور جہنم میں اس کو ایسا عذاب دیا جائے گا جو دل و جگر کو پگھلا کر رکھ دے گا۔ جہنم کے عذاب کی ایسی شدت ہوگی کہ جس کو عذاب دیا جائے گا وہ اس عذاب میں مرے گا نہ جئے گا نہ وہ مرے گا کہ اس کی جان چھوٹ جائے اور نہ وہ جئے گا کہ وہ اس زندگی سے لذت اٹھا سکے۔ اس کی زندگی قلبی روحانی اور جسمانی عذاب سے لبریز ہوگی جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عذاب ایک گھڑی کے لئے بھی اس سے دور نہ ہوگا۔ وہ مدد کے لئے پکارے گا لیکن اس کی مدد نہ کی جائے گی اور وہ دعائیں کرے گا لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔ ہاں! جب وہ پانی مانگے گا تو اسے پینے کے لئے ایسا پانی دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ کی مانند ہوگا جو چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ جب وہ پکارے گا تو اس کو جواب دیا جائے گا۔ ﴿اٰخَسُّوْا فِيْهَا وَلَا تَكَلِّمُوْنَ﴾ (المؤمنون: ۱۰۸/۲۳) ”دفع ہو



جاؤ اور اسی عذاب میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام نہ کرو۔“ اور جو کوئی اپنے رب پر ایمان رکھتے، اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے اور اس کی کتابوں کی اتباع کرتے ہوئے اس کے حضور حاضر ہوتا ہے ﴿قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ﴾ اور اس نے فرض اور مستحب اعمال بھی سرانجام دیئے ہوتے ہیں ﴿فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْأَعْلَىٰ﴾ ”تو ان کے لیے بڑے درجے ہوں گے۔“ یعنی ان لوگوں کے لئے آراستہ بالا خانوں میں عالیشان ضیافتیں ہوں گی، کبھی نہ ختم ہونے والی لذتیں، بہتی ہوئی نہریں، دائمی خلود اور ایسی عظیم مسرتیں ہوں گی جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی کے تصور میں ان کا گزر ہوا ہے۔ ﴿وَذَٰلِكَ﴾ یعنی یہ ثواب ﴿جَزَاءُ مَن تَزَكَّى﴾ اس شخص کی جزا ہے جو شرک، کفر، فسق اور معصیت سے اپنے آپ کو پاک کرتا ہے۔ وہ یا تو ان مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہی نہیں یا اگر اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا ہے، نیز وہ اپنے نفس کو پاک کرتا ہے، ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اس کی نشوونما کرتا ہے۔

”تزکیہ“ کے دو معنی ہیں۔

(۱) صاف کرنا اور گندگی کو زائل کرنا۔

(۲) بھلائی کے حصول میں اضافہ کرنا۔

زکوٰۃ کو انہی دو امور کی بنا پر زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُم مَّصْلَبًا

اور البتہ تحقیق وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف یہ کہ رات کو نکال لے جا میرے بندے، پھر بنا تو ان کے لئے راستہ

فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۚ لَا تَخَفْ دَرَكًا وَلَا تَخْشَى ۚ ۝ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ

سمندر میں خشک اس حال میں کہ نہ خوف ہوگا تجھے پکڑے جانے کا اور نہ ڈرے گا تو (ڈوبنے سے) ۝ پس پیچھے لگا لے فرعون اپنے لشکروں سمیت

فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۚ ۝ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۝

تو ڈھانپ لیا انہیں سمندر سے جس چیز نے ڈھانپ لیا انہیں ۝ اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ (سیدھی) راہ بتائی ۝

جب موسیٰ علیہ السلام معجزات کے ذریعے سے فرعون اور اس کی قوم پر غالب آ گئے تو وہ مصر میں ٹھہر گئے اور فرعون اور قوم فرعون کو اسلام کی دعوت دینے لگے اور اس کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور اس کی تعذیب سے نجات دلانے میں کوشاں رہے۔ فرعون اپنی سرکشی اور روگردانی پر جما ہوا تھا اور بنی اسرائیل کے بارے میں اس کا معاملہ بہت سخت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے وہ آیات و معجزات دکھائے جن کا قرآن میں ذکر فرمایا اور بنی اسرائیل اعلانیہ اپنے ایمان کے اظہار پر قادر نہیں تھے انہوں نے اپنے گھروں کو مساجد بنا رکھا تھا اور نہایت صبر و استقامت کے ساتھ وہ فرعون کی تعذیب اور اذیتوں کا سامنا کر رہے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ

بنی اسرائیل کو اس کے دشمن کی غلامی سے رہائی دلا کر ایک ایسی سرزمین میں آباد کرے جہاں وہ علانیہ اس کی عبادت کریں اور اس کے دین کو قائم کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ وہ خفیہ طور پر بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کے منصوبے سے آگاہ کریں رات کے ابتدائی حصے میں مصر سے نکل کر راتوں رات بہت دور نکل جائیں اور خبردار کر دیا کہ فرعون اپنی قوم کے ساتھ ان کا تعاقب کرے گا چنانچہ تمام بنی اسرائیل اپنے اہل و عیال سمیت رات کے پہلے پہر مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو مصریوں نے دیکھا کہ شہر میں (بنی اسرائیل میں سے) کوئی بلانے والا ہے نہ جواب دینے والا تو ان کا دشمن فرعون سخت غضبناک ہوا۔ اس نے تمام شہروں میں ہر کارے بھجوا دیئے تاکہ وہ لوگوں کو اکٹھا کریں اور ان کو بنی اسرائیل کے تعاقب پر آمادہ کریں تاکہ وہ ان کو پکڑ کر ان پر اپنا غصہ نکال سکے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے امر کو نافذ کرنے پر غالب ہے۔ پس فرعون نے لشکر جمع ہو گیا تو وہ اسے لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ ﴿فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَنْعِينَ قَالَ أَصْحَبُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدَّ رُكُودًا﴾ (الشعراء: ۶۱/۲۶) ”جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو (حضرت) موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا لو ہم پکڑے گئے۔“ ان پر خوف طاری ہو گیا سمندر ان کے سامنے تھا اور فرعون (اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ) ان کے پیچھے تھا اور وہ غیظ و غضب سے لبریز تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت مطمئن اور پرسکون تھے اور انہیں اپنے رب کے وعدے پر پورا بھروسہ تھا چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ (الشعراء: ۶۲/۲۶) ”ہرگز نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے ضرور کوئی راہ دکھائے گا۔“

پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ وہ اپنا عصا سمندر پر ماریں۔ انہوں نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو وہ پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی بلند پہاڑ کی مانند راستوں کے دائیں بائیں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام راستوں کو خشک کر دیا جن سے پانی دور ہٹ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے حکم دیا کہ وہ فرعون سے ڈریں نہ سمندر میں غرق ہونے سے ڈریں۔ پس وہ سمندر میں بنے ہوئے راستوں پر چل پڑے۔ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ساحل سمندر پر پہنچا تو وہ ان راستوں پر ان کے پیچھے سمندر میں گھس گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم مکمل طور پر سمندر سے باہر آ گئی اور فرعون اور اس کا لشکر پورے کا پورا سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو سمندر کی موجوں نے ان پر تھپیڑے مارنے شروع کر دیے (راستے کے دونوں طرف کی موجیں آپس میں مل گئیں) اور سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا اور تمام لشکر ڈوب گیا اور ان میں سے ایک بھی نہ بچا جبکہ بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو ہلاک کر کے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔



اور یہ کفر ضلالت بدرہی اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے عدم اعتناء کا انجام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاصْلَوْا فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ﴾ اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو۔ یعنی فرعون نے کفر کو مزین اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا استخفاف کر کے اور اس کو برا کہہ کر اپنی قوم کو گمراہ کیا اور کبھی بھی ان کو راہ راست نہ دکھائی۔ وہ انہیں گمراہی اور بدرہی کے گھاٹ پر لے گیا، پھر انہیں عذاب اور ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔

يٰۤاِبْنِيۤ اِسْرٰٓءِیْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ ۚ وَوَعَدْنَاکُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْاَيْمَنِ  
اے بنی اسرائیل! تحقیق نجات دی ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے، اور وعدہ کیا ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب کا،  
وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّٰۃَ وَالسَّلٰوٰۃَ ۝۹۰ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ  
اور نازل کیا ہم نے تم پر من اور سلویٰ ۝ تم کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں،  
وَلَا تَطْغَوْا فِیْہِ فِیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحِلَّ عَلَیْہِ غَضَبِیْ فَقَدْ  
اور نہ سرکشی کرو تم اس میں کہ (اس کی وجہ سے) اترے تم پر میرا غضب، اور وہ شخص کہ اتر اس پر میرا غضب تو یقیناً  
هُوْی ۝۹۱ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَامَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ۝۹۲  
وہ تباہ ہو گیا ۝ اور بلاشبہ میں البتہ بہت بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیا نیک، پھر وہ راہ راست پر رہا ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنا احسان عظیم یاد دلاتا ہے کہ اس نے ان کے دشمن کو ہلاک کیا اور کوہ طور کے دائیں جانب وعدہ کیا کہ وہ ان پر کتاب نازل کرے گا جس میں جلیل القدر احکام اور عالیشان خبریں ہیں۔ اس طرح دنیاوی نعمت کی تکمیل کے بعد دینی نعمت کی تکمیل ہوئی۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ ان کو اپنا یہ احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے بے آب و گیاہ بیابان میں ان پر من و سلویٰ نازل کیا اور ان کو بافراط رزق سے نوازا جو انہیں بلا مشقت حاصل ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ﴿کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں ان پر اس کا شکر ادا کرو۔ ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِیْہِ﴾ یعنی اس کے عطا کردہ رزق میں سرکشی نہ کرو کہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرنے لگو یا اس کی نعمت پر اترانے لگو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا یعنی میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا اور تمہیں عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ ﴿وَمَنْ یَّحِلَّ عَلَیْہِ غَضَبِیْ فَقَدْ هُوٰی﴾ یعنی جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک اور خائب و خاسر ہوا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور احسان سے محروم ہو گیا اور اس کی ناراضی اور خسارہ اس کے حصے میں آیا۔

بایں ہمہ بندے نے خواہ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ کیا ہو اس کے لئے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ﴾ یعنی جو شخص کفر بدعت اور فسق و فجور سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتا ہے اور قلب بدن اور زبان کے ذریعے سے نیک

عمل کرتا ہے تو میں بہت زیادہ بخشے والا اور بے پایاں رحمت کا مالک ہوں۔ ﴿ثُمَّ اهْتَدَى﴾ یعنی پھر وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوا رسول کریم ﷺ کی اتباع اور دینِ قیم کی پیروی کی۔ پس یہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ اس کے گزشتہ گناہوں اور ان پر اس کے اصرار کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ بخشش اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کے لئے سب سے بڑا سبب لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے بلکہ تمام اسباب انہی اشیاء پر منحصر ہیں کیونکہ تو بہ گزشتہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے ایمان اور اسلام گزشتہ تمام بد اعمالیوں کو منہدم کر دیتے ہیں اور عملِ صالح یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ راہ ہدایت کی تمام اقسام پر گامزن رہنا مثلاً علم حاصل کرنا، کسی آیت یا حدیث کا معنی سمجھنے کے لئے ان میں تدبر کرنا، دین حق کی طرف دعوت دینا، بدعت، کفر و ضلالت کا رد کرنا، جہاد اور ہجرت وغیرہ اور ہدایت کی دیگر جزئیات۔ یہ سب گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اور منزلِ مطلوب کے حصول میں مدد دیتی ہیں۔

وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسَىٰ ﴿۳۶﴾ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ  
اور کونسی چیز جلدی لے آئی تجھے، تیری قوم سے اے موسیٰ؟ اس نے کہا، وہ لوگ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں، اور میں نے جلدی کی  
إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿۳۷﴾ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ  
تیری طرف، اے میرے رب! تاکہ تو راضی ہو جائے اللہ نے کہا، پس بیشک ہم نے آزمایا ہے تیری قوم کو تیرے بعد اور گمراہ کر دیا انہیں  
السَّامِرِيُّ ﴿۳۸﴾ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ يَقَوْمِ  
سامری نے ۰ پس لوٹا موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضب ناک غمگین اس نے کہا، اے میری قوم!  
أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ  
کیا نہیں وعدہ کیا تھا تم سے تمہارے رب نے وعدہ اچھا؟ کیا پس لمبا ہو گیا تھا تم پر عہد یا چاہا تم نے  
أَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِي ﴿۳۹﴾  
یہ کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے؟ پس خلاف ورزی کی تم نے میرے وعدے کی ۰

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے جگہ اور وقت مقرر کر دیا تاکہ ان پر تیس دن میں تورات نازل کر دے۔ پھر چالیس دن میں اس کا اتمام کیا۔ جب مدت مقرر پوری ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی ملاقات کے شوق اور چاہت میں وعدے کے مطابق جلدی سے مقررہ مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسَىٰ﴾ یعنی کس چیز نے تجھ کو اپنی قوم سے پہلے آنے پر آمادہ کیا؟ تو نے صبر کیوں نہ کیا یہاں تک کہ تو اپنی قوم کے ساتھ آتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿هُم أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي﴾ وہ یہاں سے قریب ہی ہیں وہ عنقریب میرے پیچھے پہنچ جائیں گے اور جس چیز نے مجھے تیری جناب میں جلدی حاضر ہونے پر آمادہ کیا وہ ہے تیرے



قرب کی طلب تیری رضا کے حصول میں جلدی اور تیرا شوق۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ﴾ یعنی تیرے بعد تیری قوم کو نکچڑے کی پوجا کے ذریعے سے ہم نے آزمایا۔ پس انہوں نے صبر نہیں کیا اور جب ان کا امتحان ہوا تو انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ﴿وَأَضَلَّهُمُ الشَّامِرِيُّ﴾ ”اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا“ ﴿فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا﴾ وہ ان کے لئے ایک نکچڑے کا بت بنالایا ﴿لَهُ خُورٌ فَقَالُوا﴾ اس میں سے نیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ کہنے لگے۔ ﴿هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى﴾ ”یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے“ جسے موسیٰ بھول گیا ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل فتنے میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے نکچڑے کو پوجنا شروع کر دیا حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو روکا مگر وہ نکچڑے کی عبادت سے باز نہ آئے۔

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں واپس آئے تو سخت ناراض ہوئے وہ تاسف اور غیظ و غضب سے لبریز تھے انہوں نے اس فعل پر زبرد تو بیخ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَقَوْمُ آلِهَتِكُمْ يَعِدُكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًا حَسَنًا﴾ ”اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟“ اور یہ تو رات نازل کرنے کا وعدہ تھا۔ ﴿أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ﴾ کیا وعدہ پورا ہونے میں دیر لگ گئی تھی اور میری عدم موجودگی طویل ہو گئی تھی حالانکہ یہ تو بہت ہی تھوڑی سی مدت تھی۔ یہ بہت سے مفسرین کا قول ہے اور اس میں ایک دوسرے معنی کا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ کیا عہد نبوت اور رسالت کو زیادہ عرصہ گزر گیا ہے؟ جس کی وجہ سے تمہارے پاس علم باقی نہ رہا، علم کے تمام آثار مٹ گئے اور تمہارے پاس کوئی خبر نہ پہنچی اور طول عہد کی بنا پر آثار نبوت محو ہو گئے تھے اور اس طرح تم نے آثار رسالت اور علم کے معدوم ہونے اور غلبہ جہالت کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی.....؟ مگر معاملہ یوں نہیں بلکہ نبوت تمہارے درمیان موجود اور علم قائم ہے اس لئے تمہارا یہ عذر قابل قبول نہیں۔ یا اس فعل کے ذریعے سے تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو یعنی تم نے ایسے اسباب اختیار کئے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے موجب ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ﴿فَأَخْلَفْتُمُ مَوْعِدِي﴾ ”پس تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا۔“ جب میں نے تمہیں استقامت کا حکم دیا اور ہارون علیہ السلام کو تمہارے بارے میں وصیت کی تو تم نے غائب کا انتظار کیا نہ موجود کا احترام کیا۔

قَالُوا مَّا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَبَلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ

انہوں نے کہا، نہیں خلاف ورزی کی ہم نے تیرے وعدے کی اپنے اختیار سے لیکن اٹھوائے گئے تھے ہم بوجھ زیورات کا (فرعون کی) قوم کے

فَقَدْ فَنَّهُمَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى الشَّامِرِيُّ ۝ فَاخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا

پس پھینک دیئے ہم نے وہ (آگ میں) اور اسی طرح (کچھ) پھینکا سامری نے بھی ۝ پھر اس نے نکالا ان کے لیے ایک نکچڑا (یعنی ایک جسم)

لَهُ خُورٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى ۝ فَتَنَى ۝ أَفَلَا يَرَوْنَ

اس کی آواز تھی گائے کی سی، تو انہوں نے کہا، یہ معبود ہے تمہارا اور معبود ہے موسیٰ کا، پس وہ بھول گیا ۝ کیا پس نہیں دیکھتے وہ

اَلَا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۚ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ صَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

کہ بلاشبہ وہ (پچھڑا) نہیں لوٹا تا ان کی طرف کوئی بات اور نہیں اختیار رکھتا وہ ان کے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا ○

انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ان سے یہ کام جان بوجھ کر اور اپنے اختیار سے سرزد نہیں ہوا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ ہم زیورات کے گناہ سے جو ہمارے پاس تھے بچنا چاہتے تھے۔ اہل تفسیر ذکر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے مصر سے نکلنے سے پہلے قبطیوں سے زیورات وغیرہ مستعار لئے تھے مصر سے نکلتے وقت وہ زیورات بھی ساتھ لے آئے۔ وہاں سے نکل کر انہوں نے وہ زیورات پھینک دیئے تھے جب موسیٰ علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے وہ زیورات اکٹھے کر لئے تاکہ حضرت موسیٰ کی واپسی پر اس بارے میں ان سے رجوع کریں۔

جس روز فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہوا اس روز سامری نے رسول کا نقش پا دیکھ لیا تھا اس کے نفس نے اسے آمادہ کیا اور اس نے اس نقش پا سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی اور اس خاک میں یہ تاثیر تھی کہ جب اسے کسی چیز پر ڈالا جاتا تو وہ زندہ ہو جاتی تھی..... یہ امتحان اور آزمائش تھی۔ اس نے یہ خاک پچھڑے کے اس بت پر ڈال دی جو اس نے گھڑا تھا۔ اس سے اس میں حرکت پیدا ہو گئی اور اس سے آواز بھی نکلتی تھی۔ بنی اسرائیل نے کہا موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو تلاش کرنے گیا ہے اور وہ یہاں موجود ہے موسیٰ علیہ السلام بھول گیا۔

یہ ان کی کم عقلی اور حماقت تھی کہ انہوں نے گائے کے پچھڑے کو جو ایک دھات کا بنا ہوا تھا جس میں آواز پیدا ہو گئی تھی..... زمین اور آسمانوں کا الہ سمجھ لیا تھا۔ ﴿اَفَلَا يَرْوَن﴾ ”کیا وہ نہیں دیکھتے“ کہ وہ پچھڑا ﴿اَلَا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ ان سے کلام کر سکتا ہے نہ وہ ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے نہ ان کو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان؟ پس صرف وہی ہستی عبادت کی مستحق ہے جو کمال کلام اور افعال کی مالک ہو اور ایسی ہستی عبادت کئے جانے کا استحقاق نہیں رکھتی جو اپنے عبادت گزاروں سے بھی ناقص ہو کیونکہ عبادت گزار تو کلام کر سکتے ہیں اور بعض معاملات میں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت کے مطابق نفع و نقصان کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمُ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكُمُ

اور البتہ تحقیق کہا تھا ان سے ہارون نے پہلے اس سے، اے میری قوم! یقیناً تم آزمائے گئے ہو بوجہ اس (پچھڑے) کے اور بلاشبہ تمہارا رب

الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَاَطِيعُوا اَمْرِي ﴿۹۰﴾ قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى

نہایت مہربان ہے، پس تم میری اور میری اطاعت کرو میرے حکم کی ○ انہوں نے کہا، ہمیشہ رہیں گے ہم تو اس کی پرستش کرتے یہاں تک کہ

يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ لِيَهْرُوْنَ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ﴿۹۲﴾

لوٹ آئے ہماری طرف موسیٰ ○ موسیٰ نے کہا، اے ہارون! کس چیز نے منع کیا تھا تجھے جب دیکھا تو انے انکو کہ وہ گمراہ ہو گئے ○

اَلَا تَتَّبِعُنَّ اَفْصٰىتْ اَمْرِي ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ

اس سے کہ نہ پیروی کرے تو میری؟ کیا پس تو نے نافرمانی کی میرے حکم کی؟ ○ ہارون نے کہا، اے میری ماں جانے! نہ پکڑ تو داڑھی میری



وَلَا بِرَأْسِيْ اِنِّيْ خَشِيتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

اور نہ سر میرا، بے شک میں ڈر گیا تھا اس (بات) سے کہ تو کہے گا تفرقہ ڈال دیا تو نے درمیان

بَيْنَ اِسْرَآئِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۱۶﴾

بنی اسرائیل کے، اور نہ انتظار کیا تو نے میری بات کا ○

یعنی پچھڑے کو معبود بنانے میں وہ معذور نہیں تھے۔ اگر وہ پچھڑے کی عبادت کے بارے میں کسی شبہ میں مبتلا ہو گئے تھے تو ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت روکا تھا اور ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ ان کی آزمائش ہے۔ ان کا رب تو رحمن ہے جس کی طرف سے تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کا فیضان جاری ہے اور وہ تمام تکالیف کو دور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ ہارون علیہ السلام کی اتباع کریں اور پچھڑے کو چھوڑ دیں۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور کہنے لگے: ﴿كُنْ نَبِيَّحَ عَلَيْهِ عَرَفَيْنَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوسَىٰ﴾ ”موسیٰ کے آنے تک ہم تو اسی کی عبادت و تعظیم میں لگے رہیں گے۔“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کو ملامت کرتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: ﴿يَهْرُونَ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۖ اَلَا تَتَّبِعُنَ﴾ ”اے ہارون! جب تو نے ان کو دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تجھے میرے پیچھے آنے سے کس چیز نے روک دیا؟“ کہ آ کر تو مجھے خبر کر دیتا تا کہ میں جلدی سے ان کی طرف لوٹ آتا ﴿اَفَصَبَتْ اَمْرِيْ﴾ کیا تو نے میرے اس حکم کی نافرمانی کی ہے ﴿اَخْلَفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۶۲/۷) ”تو میری قوم میں میری جانشینی کر، معاملات کو درست کر اور اہل فساد کے راستے کی پیروی نہ کر۔“

موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو سرا اور داڑھی سے پکڑا اور غصے میں اپنی طرف کھینچا۔ ہارون علیہ السلام نے کہا: ﴿يَبْنَؤُمَّ﴾ ”اے میرے ماں جائے“ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے رقت قلبی کی امید پر یہ فقرہ کہا تھا اور نہ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ماں اور باپ دونوں طرف سے ان کے بھائی تھے۔ ﴿لَا تَاْخُذْ بِعِصْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ اِنِّيْ خَشِيتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ﴾ ”آپ میری داڑھی اور سر نہ پکڑیں، میں تو اس بات سے ڈرا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔“ کیونکہ آپ کا حکم تھا کہ میں ان میں آپ کی جانشینی کروں اگر میں آپ کے پیچھے چلا آتا تو میں اس چیز کو چھوڑ بیٹھتا جس کے التزام کا آپ نے حکم دیا تھا اور میں آپ کی ملامت سے ڈرتا رہا۔ ﴿اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ﴾ کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ کسی نگرانی کرنے والے اور کسی جانشین کے بغیر ان کو چھوڑ دیا اور اس سے ان میں تشنیت و افتراق پیدا ہو گیا۔ اس لئے آپ مجھے ظالموں میں شریک نہ کریں اور نہ دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع دیں۔

اس پر موسیٰ علیہ السلام کو بھائی کے ساتھ اپنے طرز عمل پر ندامت ہوئی کہ وہ اس سلوک کے مستحق نہ تھے اس لئے دعا کی۔ ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاٰخِيْ وَادْخُلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۵۱/۷)

”اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخشش اور ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں داخل کر، تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يُسَامِرِيُّ ۖ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

موسیٰ نے کہا، پس کیا معاملہ ہے تیرا؟ سامریؑ اس نے کہا دیکھا تھا میں نے اس چیز کو کہ نہ دیکھا تھا ان لوگوں نے اسے، پس بھر لی میں نے ایک مٹھی

مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۖ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ

رسول (جبریل) کے نشان قدم سے، پھر پھینکا میں نے اسکو اور اسی طرح مزین کیا تھا میرے لیے میرے نفس نے موسیٰؑ نے کہا، پس جاتو، پس بیشک

لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ ۖ

تیرے لئے ہے زندگی بھر کہ تو کہتا رہے نہ ہاتھ لگانا (مجھے) ملو بلاشبہ تیرے لئے وعدہ کا وقت ہے کہ ہرگز نہیں خلاف کیا جائے گا تیرے حق میں اس سے

وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ

اور دیکھ تو طرف اپنے معبود کی وہ جو ہو گیا تھا تو اس کی پرستش کرنے والا، البتہ ضرور جلائیں گے ہم اسے،

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۖ

پھر اڑائیں گے ہم (اس کی راکھ) سمندر میں (مکمل طور پر) اڑانا ○

یعنی یہ جو تو نے سب کچھ کیا ہے یہ کیا معاملہ ہے؟ سامری نے جواب دیا۔ ﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ﴾ ”میں نے وہ چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی۔“ یعنی وہ جبریل علیہ السلام تھے جن کو سامری نے سمندر سے باہر نکلتے اور فرعون کے اپنے لشکر سمیت ڈوبتے وقت گھوڑی پر سوار دیکھا۔ جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے۔ یعنی میں نے گھوڑی کے سم کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھائی اور پھڑے (کے بت) پر ڈال دی۔ ﴿وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي﴾ میرے نفس نے مجھے ایسے ہی سمجھایا تھا کہ میں (جبریل کے نقش پاسے) ایک مٹھی خاک لوں اور اسے اس پھڑے پر ڈال دوں اور اس طرح وہ کچھ ہو جائے جو ہو گیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا: ﴿فَاذْهَبْ﴾ مجھ سے دور ہو جا ﴿فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ﴾ یعنی تجھے زندگی میں ایسی سزا دی جائے گی کہ کوئی شخص تیرے قریب آئے گا نہ تجھے چھوئے گا۔ اگر کوئی شخص تیرے پاس آنا چاہے گا تو خود ہی پکار کر اسے کہہ دے گا ”مجھے مت چھو“ میرے قریب نہ آنا“ یہ تمہارے اس فعل کی سزا ہوگی..... کیونکہ سامری نے اس چیز کو چھوا جسے کسی دوسرے نے نہیں چھوا اس نے وہ کچھ جاری کیا جو کسی اور نے جاری نہیں کیا۔

﴿وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ﴾ ”اور تیرے لیے ایک وعدہ ہے جو ہرگز تجھ سے نہیں ملے گا۔“ پس اس

وقت تجھے تیرے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ﴿وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ ”اور

دیکھ تو اپنے اس معبود کی طرف جس کی تو تعظیم و عبادت کرتا ہے۔“ اس سے مراد پھڑا ہے ﴿لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ﴾



فِي الْيَوْمِ نَسْفًا ﴿۱۸﴾ ہم اسے جلا کر اس کا ریزہ ریزہ اڑا دیں گے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اگر وہ پچھڑا معبود ہوتا تو وہ ایذا دینے والے اور تلف کرنے والے سے بچ سکتا تھا۔ بنی اسرائیل کے دلوں میں پچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اس کو تلف کرنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ اس کو دوبارہ نہ بنا سکیں..... اس کو جلانے اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں بکھیرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح پچھڑا جسمانی طور پر ختم کر دیا گیا ہے اسی طرح ان کے دلوں سے اس کی محبت بھی زائل ہو جائے نیز اس کے باقی رکھنے میں نفوس کے لئے فتنے کا امکان تھا کیونکہ نفوس کے اندر باطل کی طرف بڑا قوی داعیہ ہوتا ہے۔ جب ان کے سامنے اس خود ساختہ خدا کا بطلان واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ہستی کے متعلق آگاہ فرمایا جو عبادت کی مستحق ہے جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں فرمایا:

إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۹﴾

یقیناً تمہارا معبود تو وہ اللہ ہے کہ نہیں کوئی اور معبود سوائے اس کے، گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو از روئے علم کے ○ یعنی اللہ کریم کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف اسی کے ساتھ محبت کی جائے، اسی پر امیدیں رکھی جائیں، اسی سے ڈرا جائے اور اسی کو پکارا جائے۔ وہی کامل ہستی ہے جو اسماء حسنیٰ اور اوصاف عالیہ کی مالک ہے۔ اس کے علم نے تمام اشیاء کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے کہ بندوں پر جتنی بھی نعمتیں ہیں صرف اسی کی عطا کردہ ہیں۔ صرف وہی ہے جو تمام تکالیف کو دور کرتا ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ﴿۲۰﴾

اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں آپ پر کچھ وہ خبریں جو پہلے گزر چکی ہیں اور تحقیق دیا ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) ○

مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ﴿۲۱﴾ خَلِيدِينَ فِيهِ

جس شخص نے اعراض کیا اس سے تو بلاشبہ وہ اٹھائے گا دن قیامت کے ایک بوجھ ○ وہ ہمیشہ رہیں گے اس (تکلیف) میں

وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ﴿۲۲﴾

اور برا ہوگا ان کے لیے دن قیامت کے بوجھ اٹھانا ○

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے احسان کا ذکر کرتا ہے کہ اس نے آپ کو گزرے ہوئے لوگوں کی خبروں سے آگاہ فرمایا..... مثلاً یہ عظیم واقعہ اور اس کے اندر مذکور تمام احکام جن کا اہل کتاب میں سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ پس آپ نے گزری ہوئی قوموں کی تاریخ کا درس لیا ہے نہ کسی سے اس کا علم حاصل کیا ہے لہذا آپ کا ان کے واقعات کے بارے میں حق الیقین کے ساتھ آگاہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

رسول برحق ہیں اور آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ سب صداقت پر مبنی ہے۔ بناء بریں فرمایا: ﴿وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ

لَدُنَّا ﴿۱﴾ اور دیا ہم نے آپ کو اپنی طرف سے۔ یعنی اپنی طرف سے نفیس عطیہ اور عظیم نوازش کے طور پر ﴿ذِكْرًا﴾

”ایک ذکر“ اس سے مراد قرآن کریم ہے جس میں تمام گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کامل اسماء و صفات کا ذکر ہے اور اس میں احکام امر و نہی اور احکام جزا کا تذکرہ ہے۔

یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم بہترین احکام پر مشتمل ہے۔ عقل اور فطرت سلیم ان احکام کے حسن و کمال کی گواہی دیتی ہیں اور قرآن کریم آگاہ کرتا ہے کہ ان احکام میں کیا کیا مصالح پنہاں ہیں اس لئے جب قرآن کریم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے تذکرہ ہے تب اس کو قبول کرنا اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اس کی اطاعت کرنا اس کی روشنی میں صراط مستقیم پر گامزن ہونا اور اس کی تعلیم و تعلم واجب ہے اور اس سے روگردانی کے ساتھ پیش آنا یا اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جو اس سے بھی زیادہ عمومیت کا حامل ہو جیسے اس کی باتوں کا انکار کرنا۔ تو یہ اس نعمت کی ناشکری ہے اور جو کوئی اس ناشکری کا ارتکاب کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے۔

اس لئے فرمایا: ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ﴾ جس نے اس سے روگردانی کی اور اس پر ایمان نہ لایا یا اس کے اوامر و نواہی کو حقیر سمجھا یا اس نے اس کے معانی کے تعلم کا تمسخر اڑایا تو یہ شخص ﴿فَاِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا﴾ قیامت کے روز اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا جس کے سبب سے اس نے قرآن سے روگردانی کی۔ سب سے بڑا گناہ تو کفر اور قرآن کو چھوڑنا ہے۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ﴾ یعنی وہ اپنے گناہ کے بوجھ اٹھانے کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ (برے) اعمال ہی درحقیقت عذاب ہیں۔ یہ اعمال بد صغیرہ یا کبیرہ ہونے کے مطابق ارتکاب کرنے والوں کے لئے عذاب میں بدل جاتے ہیں۔ ﴿وَسَاءَ لَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا﴾ یعنی بہت برا بوجھ ہے جو وہ اٹھائیں گے اور بہت برا عذاب ہے جو انہیں قیامت کے روز بھگتنا ہوگا۔ پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے قیامت کے دن کے احوال اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۶﴾ يَتَخَفَتُوْنَ

جس دن پھونک ماری جائے گی صور میں بلور، ہم اکٹھا کریں گے اس دن مجرموں کو درآئیکہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے چپکے چپکے کہتے ہو گئے وہ

بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۷﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

آپس میں (یہ کہ) نہیں ٹھہرے تم (دنیا میں) مگر صرف دس دن ○ ہم خوب جانتے ہیں اس کو جو کچھ وہ کہیں گے، جس وقت کہے گا

اَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۸﴾

بہترین ان کا باعتبار رائے کے کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک ہی دن ○

یعنی جب صور پھونکا جائے گا اور تمام لوگ اپنے اپنے حسب حال اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اہل

تقویٰ وفد کی صورت میں رحمن کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور مجرم اس حال میں اکٹھے کئے جائیں گے کہ خوف



غم اور سخت پیاس کے مارے ان کا رنگ نیلا پڑ گیا ہوگا، تو وہ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کریں گے اور نہایت پست آواز میں دنیا کی مدت کے کم ہونے اور آخرت کے جلد آ جانے کے بارے میں ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے۔ ان میں سے کچھ لوگ کہیں گے کہ تم لوگ بس دس دن دنیا میں رہے ہو اور بعض دوسرے لوگ کچھ اور کہیں گے۔ پست آواز میں وہ جو سرگوشیاں کر رہے ہوں گے اللہ انہیں جانتا ہوگا اور وہ جو باتیں کر رہے ہوں گے وہ انہیں سنتا ہوگا ﴿إِذْ يَقُولُ امْتَلَهُمْ طَرِيقَهُ﴾ یعنی ان میں سے سب سے زیادہ معتدل اور اندازے کے سب سے زیادہ قریب شخص کہے گا: ﴿إِنْ لَيْسَ لَكُمْ يَوْمًا﴾ تم صرف ایک دن دنیا میں رہے ہو۔

اس سے ان کا مقصد بہت بڑی ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہے کہ انہوں نے اوقات قصیرہ کیسے ضائع کر دیے اور غفلت اور لہو و لعب میں ڈوب کر فائدہ مند اعمال سے اعراض کرتے ہوئے اور نقصان دہ اعمال میں پڑ کر ان اوقات کو گزاردیا۔ اب جزا کا وقت آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوا اور اب ندامت، ہلاکت اور موت کی دعا کے سوا کچھ باقی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ لَكُمْ لَيْسَتُمْ فِي الْأَرْضِ عِدَّةٌ سِنِينَ ۝ قَالُوا لَيْسَ لَنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَازِينَ ۝ قُلْ إِنْ لَيْسَ لَكُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۚ لَوْ أَنَّكُمْ لَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۱۲/۲۳-۱۱۴) ”اللہ پوچھے گا تم زمین میں کتنے سال رہے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے! فرمایا تم زمین میں بہت تھوڑا ٹھہرے ہو، کاش تم نے اس وقت جانا ہوتا۔“

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ فَيَذَرُهَا قَاعًا ۖ  
اور وہ سوال کرتے ہیں آپ سے پہاڑوں کی بابت، پس آپ کہہ دیجئے انہیں اڑا دے گا انکو میرا رب اڑا دینا ۝ پس چھوڑے گا وہ اس (زمین) کو چٹیل  
صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۖ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ  
میدان بنا کر ۝ نہ دیکھیں گے آپ اس میں کوئی کجی اور نہ ٹیلہ ۝ اس دن وہ (لوگ) پیچھے چلیں گے بلانے والے کے نہیں کوئی کجی ہوگی  
لَهُ ۚ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۖ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ  
اسکے لیے، اور پست ہو جائیں گی سب آوازیں (اللہ) رحمن کے سامنے، پس نہ سنیں گے آپ سوائے آہٹ کے ۝ اس دن نہیں نفع دے گی  
الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
سفارش مگر اس شخص کی کہ اجازت دے گا اسے رحمن، اور پسند کرے گا اسکے لیے بات کرنا ۝ وہ جانتا ہے جو کچھ انکے سامنے ہے  
وَمَا خَلَقَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۖ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ  
اور جو کچھ انکے پیچھے ہے، اور نہیں احاطہ کر سکتے وہ لوگ اسکا از روئے علم کے ۝ اور جھک جائیں گے (سب) چہرے نئی قیوم (اللہ) کیلئے، اور تحقیق  
خَابَ مَنْ حَبَلَ ظَنْمًا ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ  
ناکام ہو او وہ شخص جس نے اٹھایا بوجھ ظلم (شرک) کا ۝ اور جو شخص عمل کرے نیک جبکہ وہ

## مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظُلُمًا وَلَا هَضْبًا ﴿۱۱۳﴾

مومن ہو تو نہیں ڈرے گا وہ نا انصافی سے اور حق تلفی سے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے خوفناک زلزلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ یعنی وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ کیا یہ پہاڑ اپنی حالت پر باقی رہیں گے؟ ﴿فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اکھاڑ پھینکے گا اور یہ پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی اون اور ریت پھر ان کو ریزہ ریزہ کر کے اڑتی ہوئی خاک میں تبدیل کر دے گا۔ پہاڑ فنا ہو کر ختم ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو ہموار کر کے زمین کے برابر کر دے گا اور زمین کو ہموار چٹیل میدان بنا دے گا۔ زمین کے کامل طور پر ہموار ہونے کی بنا پر دیکھنے والے کو کوئی نشیب و فراز نظر نہیں آئے گا، یعنی وادیاں اور پست یا بلند مقامات نہیں ہوں گے۔ تمام زمین ہموار اور یکساں نظر آئے گی جو تمام مخلوقات کے لئے کشادہ ہوگی اور اللہ اس کو اس طرح بچھا دے گا جس طرح چڑا بچھایا جاتا ہے۔ تمام مخلوق ایک جگہ کھڑی ہوگی پکارنے والے کی آواز ان کو سنائی دے گی اور دیکھنے والا ان کو دیکھ سکے گا، اس لئے فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ﴾ ”اس دن وہ پکارنے والے کے پیچھے لگیں گے۔“ اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے کھڑے ہوں گے اور پکارنے والا ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے اور ایک جگہ جمع ہونے کے لئے پکارے گا تو وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے اس کی طرف جائیں گے اور دائیں بائیں وہ اس سے نظر ہٹائیں گے نہ دائیں بائیں التفات کریں گے۔

فرمایا: ﴿لَا عِجَبَ لَكَ﴾ یعنی پکارنے والے کی دعوت میں کوئی کجی نہ ہوگی بلکہ اس کی دعوت تمام خلایق کے لئے حق اور صدق پر مبنی ہوگی اور وہ پکار کر تمام خلایق تک اپنی آواز پہنچائے گا۔ تمام لوگ قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے اور رحمن کے سامنے ان کی آوازیں پست ہوں گی۔ ﴿فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾ ”پس نہیں سنے گا تو سوائے کھسر پھسر کے۔“ یعنی فقط قدموں کی چاپ یا ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہونے والی پست آواز سنائی دے گی اور ان پر خشوع، سکوت اور خاموشی طاری ہوگی اور رب رحمن کے فیصلے کے منتظر ہوں گے اور چہرے تذلل اور خضوع سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ تم اس عظیم مقام پر دیکھو گے کہ دولت مند اور فقراء، مرد اور عورتیں، آزاد اور غلام، بادشاہ اور عوام سب نظریں نیچے کئے ساکت اور خاموش گھنٹوں کے بل گرے ہوئے اور گردنوں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ ہر شخص اپنے باپ، بھائی اور دوست یا ر کو بھول کر صرف اپنے معاملے میں مشغول ہوگا۔ ﴿لِكُلِّ امْرِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ (عبس: ۳۷، ۳۸)

”اس روز ہر شخص ایک معاملے میں مصروف ہوگا جو اسے دوسروں کے بارے میں بے پروا کر دے گا۔“



حاکم عادل اس بارے میں فیصلہ کرے گا، نیکو کار کو اس کی نیکی کی جزا دے گا اور بدکار کو محروم کرے گا۔ رب کریم اور رحمن و رحیم پر امید یہ ہے کہ تمام خلائق اس کے ایسے فضل و احسان، عفو و درگزر اور بخشش کو دیکھے گی، زبان جس کی تعبیر سے قاصر اور فکر اس کے تصور سے بے بس ہے۔ تب تمام خلائق اس کی رحمت کی منتظر ہوگی مگر رحمت ان لوگوں کے لئے مختص ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ امید آپ کیسے رکھ سکتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اس امید مذکور کا آپ کو کیسے علم ہوا؟

تو ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، اس کی عنایات تمام مخلوقات پر عام ہیں۔ ہم اس دنیاوی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمیں اور دیگر لوگوں کو لامحدود نعمتیں حاصل ہیں خاص طور پر روز قیامت کے متعلق اللہ کے یہ فرامین ﴿وَحَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ﴾ ﴿إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ﴾ اور ﴿الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْغَنِيُّ لِلرَّحْمَنِ﴾ (الفرقان: ۲۶، ۲۵) ”اس امر پر دلالت کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی رحمت کے سوحے ہیں اس نے ایک حصہ اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا ہے، اس رحمت ہی کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے ساتھ رحم اور عاطفت سے پیش آتے ہیں حتیٰ کہ ایک چوپائے کا پاؤں اگر اس کے بچے پر آ جائے تو وہ اپنے پاؤں کو اٹھا لیتا ہے تاکہ وہ اس کو روند نہ ڈالے یہ اس رحم کی وجہ سے ہے جو اس چوپائے کے دل میں ودیعت کیا گیا ہے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو رحمت کا یہ حصہ بھی ننانوے حصے میں شامل ہو جائے گا، اور اللہ رحمت کے ان سوحوں کے ساتھ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔“<sup>①</sup> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ماں اپنی اولاد کے لئے جس قدر رحیم ہے اللہ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں کے لئے رحیم ہے۔“<sup>②</sup>

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں آپ جو چاہیں کہیں وہ آپ کے اندازوں اور آپ کے تصور سے کہیں زیادہ ہے..... پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے عدل و انصاف اور سزا دینے میں اسی طرح رحیم ہے جس طرح وہ اپنے فضل و احسان اور ثواب عطا کرنے میں رحیم ہے۔ بلند و بالا ہے وہ ہستی جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کننا ہے اور جس کا فضل و کرم ہر زندہ مخلوق کو شامل ہے، وہ اپنی بے نیازی کے باعث اپنے بندوں سے بالا و برتر اور ان پر نہایت رحم کرنے والا ہے۔ بندے اپنے تمام احوال میں ہمیشہ اس کے محتاج ہیں اور لمحہ بھر کے لئے اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ یعنی اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے ہاں سفارش نہیں کر سکے گا اور وہ صرف اس شخص کے لئے سفارش کی اجازت

① صحیح البخاری، الادب، باب جعل اللہ الرحمة فی مائة جزء، ح: ۶۰۰۰ و صحیح مسلم، التوبة، باب فی سعة

رحمة اللہ تعالیٰ..... ح: ۲۷۵۲۔

② صحیح البخاری، الادب، باب رحمة الولد و تقبيله و معانفته، ح: ۵۹۹۹۔

دے گا جس کے لئے وہ راضی ہوگا، یعنی انبیاء و مرسلین اور مقرب بندوں کو صرف ان لوگوں کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی جن کی باتوں کو اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور وہ صرف مخلص مومن ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی معدوم ہوگی تو کسی کے لئے کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی۔  
اس موقع پر لوگ دو اقسام میں منقسم ہوں گے۔

(۱) اپنے کفر کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے، جنہیں ناکامی، حراماں نصیبی، جہنم میں دردناک عذاب اور اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) وہ لوگ جو ان امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانے کے لئے ان کو حکم دیا گیا، نیک عمل کرتے رہے یعنی واجبات و مستحبات پر عمل پیرا رہے۔ ﴿فَلَا يَخْضِبُ ظُلْمًا﴾ ”پس اسے ظلم کا خوف نہیں ہوگا۔“ یعنی اس کی اصل بد اعمالیوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا ﴿وَلَا هَضْمًا﴾ ”اور نہ حق تلفی کا۔“ یعنی نہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی بلکہ اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا اس کے عیوب کو پاک کر دیا جائے گا اور اس کی نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا جائے گا۔ فرمایا: ﴿وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۴۰/۴) ”اگر کوئی نیکی ہوگی تو وہ اسے دو گنا کر دے گا اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا کرے گا۔“

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ

اور اسی طرح نازل کیا ہم نے اس (قرآن) کو قرآن عربی، اور پھیر پھیر کر بیان کیں ہم نے اس میں وعیدیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۳﴾

تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں یا پیدا کر دے (قرآن) ان کے لیے نصیحت ○

یعنی اسی طرح ہم نے اس کتاب کو فضیلت والی عربی زبان میں نازل کیا ہے جس کو تم خوب سمجھتے ہو اور اس میں کامل تفہم رکھتے ہو اور اس کے الفاظ و معانی تم پر مخفی نہیں ہیں۔ ﴿وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ﴾ یعنی اس کتاب میں ہم نے وعید کو بہت سی انواع کے ذریعے بیان کیا ہے۔ کبھی تو ان اسماء کے ذریعے سے بیان کیا ہے جو عدل و انتقام پر دلالت کرتے ہیں، کبھی اس عبرت ناک عذاب کے ذکر کے ذریعے سے اس وعید کو بیان کیا جو گزشتہ قوموں پر نازل ہوا اور حکم دیا کہ آنے والی امتیں اس سے عبرت حاصل کریں اور کبھی گناہوں کے آثار اور ان سے پیدا ہونے والے عیوب کو بیان کر کے اس وعید کا ذکر کیا۔ کبھی قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے دل کو ہلا دینے والے مناظر کو بیان کر کے اس وعید کا ذکر کیا۔ کبھی جہنم کے مناظر اور اس میں دیئے جانے والے مختلف انواع کے عذاب اور عقوبتوں کا ذکر کر کے اس وعید کو بیان کیا ہے۔

اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کی وجہ سے ہے شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور گناہوں اور



معاصی کو چھوڑ دیں جن سے ان کو نقصان پہنچتا ہے۔ ﴿أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے اور یہ لوگ نیک عمل کرنے لگیں جو ان کو فائدہ دیں..... پس اس کتاب کا عربی زبان میں نازل ہونا اور وعید کا مختلف طریقوں سے بیان ہونا، عمل صالح کا سب سے بڑا سبب اور سب سے بڑا داعی ہے۔ اگر یہ عظیم کتاب عربی زبان میں نہ ہوتی یا اس میں وعید کو مختلف انواع میں بیان نہ کیا گیا ہوتا تو اس میں یہ تاثیر نہ ہوتی۔

فَتَعَلَّى اللَّهُ الْبَلَدَ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ  
پس بلند تر ہے اللہ بادشاہ برحق، اور نہ جلدی کریں آپ قرآن پڑھنے میں پہلے اس سے کہ پوری کی جائے آپ کی طرف  
وَحْيِهِ نَوْفَلٌ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

وحی اس کی اور کہیں، اے میرے رب! زیادہ کر مجھے علم میں ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حکم جزائی کا ذکر کیا جس سے اس کے بندے دوچار ہوتے ہیں اور حکم دینی و امری بیان فرمایا جو اس کتاب کریم میں نازل کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور اقتدار کے آثار ہیں تو فرمایا: ﴿فَتَعَلَّى اللَّهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر نقص اور آفت سے پاک، بلند اور جلیل تر ہے ﴿الْبَلَدَ﴾ اقتدار حاکمیت جس کا وصف ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک (غلام) ہے۔ اس کی بادشاہی کے قدری و شرعی احکام تمام مخلوق پر نافذ ہیں۔ ﴿الْحَقُّ﴾ یعنی اس کا وجود اس کا اقتدار اور اس کا کمال سب حق ہے۔ پس صفات کمال کی مالک صرف ایسی ہستی ہو سکتی ہے جو ذی جلال ہو اور اس میں اقتدار بھی شامل ہے۔ بعض اوقات اس کے سوا مخلوق بھی بعض اشیاء پر اقتدار اور اختیار رکھتی ہے مگر یہ اقتدار ناقص اور باطل ہے جو زائل ہو جانے والا ہے..... مگر رب تعالیٰ ہمیشہ کے لیے بادشاہ حقیقی، جلال کا مالک اور قائم و دائم رہنے والا ہے۔

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ﴾ یعنی جب جبریل آپ ﷺ کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو اخذ کرنے میں جلدی نہ کیجئے اس وقت تک صبر کیجئے جب تک کہ وہ تلاوت سے فارغ نہ ہو جائے۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہو جائے تب اس کو پڑھیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں جمع کرنے اور آپ کے اس کی قراءت کرنے کی ضمانت دی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تُحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۚ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۚ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (القیصمہ: ۱۶۱/۱۷۵-۱۹) ”جلدی سے وحی پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے اس کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا ذمہ داری ہے اور جب ہم اس وحی کو پڑھیں تو آپ اسی طرح پڑھا کریں پھر اس کے معانی کی تفسیر و توضیح ہمارے ذمہ ہے۔“

چونکہ وحی کو اخذ کرنے کے لئے آپ ﷺ کی عجلت دلالت کرتی ہے کہ آپ علم کے ساتھ کامل محبت رکھتے

تھے اور اس کے حصول کے بے حد خواہش مند تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لئے از دیا علم کی دعا کریں کیونکہ علم بھلائی ہے اور بھلائی کی کثرت مطلوب ہے اور یہ کثرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور اس کے حصول کا راستہ کوشش، شوق، علم، اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا، اس سے مدد مانگنا اور ہر وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھنا ہے۔ اس آیت کریمہ سے حصول علم کے آداب اخذ کئے جاتے ہیں۔ علم کی سماعت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ صبر سے کام لے یہاں تک کہ املا کرانے والا اور معلم اپنے کلام سے فارغ ہو جائیں جو لگاتار اور مسلسل ہے۔ اگر ذہن میں کوئی سوال ہے تو وہ اس وقت کیا جائے جب معلم فارغ ہو جائے۔ معلم کی قطع کلامی اور سوال کرنے میں غفلت سے باز رہے کیونکہ یہ حرمان نصیبی کا سبب ہے۔ اسی طرح مسئول کے لئے مناسب ہے کہ وہ سائل کے سوال کو لکھ لے اور جواب دینے سے قبل سائل کے مقصود کو اچھی طرح سمجھ لے کیونکہ یہ صحیح جواب کا سبب ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝۱۱۵

اور البتہ تحقیق عہد لیا تھا ہم نے آدم سے اس سے پہلے پس بھول گیا وہ اور نہ پائی ہم نے اس میں ارادے کی پختگی ○

یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو وصیت کی اسے حکم دیا اور اس سے عہد لیا کہ وہ اس پر قائم رہے۔ اس نے اس وصیت کا التزام کیا اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اس کو قائم کرنے کا عزم کیا مگر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وصیت کو بھول گیا اور اس کا مضبوط عزم ٹوٹ گیا تب اس سے ایسی لغزش صادر ہوئی جسے سب جانتے ہیں۔ پس وہ اپنی اولاد کے لئے عبرت بن گیا اور اولاد آدم کی طبیعت اور فطرت آدم علیہ السلام کی طرح ہو گئی آدم علیہ السلام سے بھول ہو گئی اس کی اولاد بھی نسیان کا شکار ہو گئی آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اور اولاد بھی غلطی کا ارتکاب کرتی ہے۔ آدم علیہ السلام اپنے عزم پر قائم نہ رہ سکا اسی طرح اس کی اولاد اپنے عزم کو توڑ بیٹھتی ہے آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کا اعتراف اور اقرار کر کے فوراً توبہ کر لی اور اس کی خطا کو بخش دیا گیا جو کوئی اپنے باپ کی مشابہت اختیار کرتا ہے اس پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ پھر اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا ۖ اِلَّا اِبْلٰسَ ۚ اَبٰی ۝۱۱۶ فَقُلْنَا

اور (یاد کرو!) جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو تم آدم کو تو سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا ○ پس ہم نے کہا،

يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ۝۱۱۷

اے آدم! بلاشبہ یہ (ابلیس) دشمن ہے تیرا اور تیری بیوی کا، سو وہ نہ نکلا دے تم دونوں کو جنت سے کہ تو مشقت میں پڑ جائے ○

اِنَّ لَكَ اِلَّا تَجُوْعُ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰی ۝۱۱۸ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمُوْا فِيْهَا وَلَا تَصْحٰی ۝۱۱۹

بلاشبہ تیرے لئے ہے (یہ فائدہ) کہ نہ بھوکا ہوگا تو اس میں اور نہ ننگا ○ اور بیشک تو نہ پیاسا ہوگا اس میں اور نہ تجھے دھوپ لگے گی ○



فَوَسَّوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اٰدُلٰكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ

پس وسوسہ ڈالا اسکی طرف شیطان نے، اس نے کہا، اے آدم! کیا دلالت کروں میں تجھے اوپر ہمیشگی کے درخت اور ایسی بادشاہی کے

لَا يَبْلٰى ﴿۱۶﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ

جو پرانی نہ ہو؟ ۱۶ پس کھایا ان دونوں نے اس میں سے، تو ظاہر ہوگئی ان پر شر مگاہ ان دونوں کی، اور شروع ہوئے وہ دونوں چپکاتے تھے

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهُ فَغَوٰى ﴿۱۷﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ

اپنے اوپر پتے جنت کے، اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی، پس وہ بھٹک گیا ۱۷ پھر برگزیدہ کیا اسے

رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۸﴾

اس کے رب نے اور توجہ کی اس پر اور ہدایت دی اسے ۱۸

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کو مکمل کیا، انہیں اشیاء کے نام سکھائے، انہیں فضیلت اور تکریم بخشی اور ان کے اکرام و تعظیم اور ان کی جلالت شان کو تسلیم کروانے کے لئے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور فرشتے اس حکم کو مانتے ہوئے فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ ان فرشتوں کے اندر ابلیس بھی تھا اس نے تکبر کی وجہ سے

اپنے رب کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ اس نے کہا: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴾ (الاعراف: ۱۲/۷) ”میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی

سے۔“ تب آدم اور ان کی بیوی کے ساتھ حد کو پہنچی ہوئی اس کی عداوت ظاہر ہوئی۔ چونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کا وہ حسد بھی ظاہر ہو گیا جو اس عداوت کا سبب تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو اس سے چوکنار بننے کا حکم دیا۔ فرمایا: ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ اگر تمہیں جنت سے نکال دیا گیا تو تم بد نصیب ٹھہرو گے کیونکہ جنت میں تمہارے لئے لامحدود رزق اور راحت کامل ہے۔

﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنْتَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾ یعنی وہاں تجھے سورج

کی دھوپ نہیں لگے گی۔ وہاں دائمی طور پر مطعومات و مشروبات، لباس اور پانی کی فراہمی، تکان وغیرہ کی عدم موجودگی کی ضمانت ہوگی۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک معین درخت کے قریب جانے سے روک دیا۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ (البقرة: ۳۵/۲) ”تم دونوں اس درخت کے قریب مت

جانا ورنہ ظالموں میں ہو جاؤ گے۔“

شیطان ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہا اور ان کے سامنے اس درخت کے پھل کے کھانے کو مزین

کرتا رہا، چنانچہ وہ ان سے کہتا: ﴿هَلْ اٰدُلٰكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ یعنی جو کوئی اس کو کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں

رہے گا۔ ﴿وَمُلْكٍ لَا يَبْلٰى﴾ اور جب وہ اس درخت کا پھل کھا لے گا تو ایسی بادشاہت حاصل ہوگی جو کبھی منقطع

نہ ہوگی۔ شیطان آدم علیہ السلام کے پاس ایک ناصح کی صورت میں آیا بڑی نرمی اور حیلہ سازی کے ساتھ آدم علیہ السلام سے بات چیت کی۔ آدم علیہ السلام اس کے فریب میں آگئے اور یوں آدم اور حواء علیہما السلام نے اس درخت کا پھل کھالیا۔ اس پر ان کو سخت ندامت ہوئی، ان کا لباس اتر گیا اور ان کی نافرمانی ان کے سامنے واضح ہو گئی ایک دوسرے کے سامنے ان کے سر کھل گئے، حالانکہ اس سے قبل وہ دونوں ستر پوش تھے۔ انہوں نے جنت کے درختوں کے پتوں کے ذریعے سے اپنے آپ کو ڈھانپنا شروع کیا تاکہ اس طرح وہ ستر پوشی کر سکیں۔ اس پر انہیں اس قدر خجالت ہوئی جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

﴿وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ﴾ اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا۔ پس انہوں نے فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الاعراف: ۲۳/۷) ”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اگر تو ہمیں بخش نہ دے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ پس حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے رب نے چن لیا اور ان کو توبہ کی توفیق سے نوازا۔ ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور راہ راست کی طرف ان کی راہنمائی کی اور حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کے بعد کا حال توبہ سے پہلے کے حال سے بہتر تھا۔ دشمن کا مکرو فریب اسی کی طرف پلٹ گیا اس کی چال الٹ گئی اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام ہو گیا اور ان پر واجب ہو گیا کہ وہ اس کو قائم رکھیں اور اس کا اعتراف کریں نیز وہ اپنے دشمن سے بچتے رہیں جو دن رات ان کی تاک میں رہتا ہے۔ فرمایا: ﴿يَبْنَئِ آدَمُ لَا يَفْتِنُكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمُ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرُكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الاعراف: ۲۷/۷) ”اے بنی آدم! دیکھنا کہیں شیطان تمہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا لیا تھا۔ یعنی ان کا لباس اتر دیا تاکہ ان کے سامنے ان کا ستر کھول دے۔ وہ اور اس کے بھائی بند تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ہم نے شیطان کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔“

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَأَمَّا يَٰأَتَيْنَاكُمْ مِّمَّنِّ هَدَىٰ ۙ  
اللہ نے کہا، اتر جاؤ تم دونوں اس سے اکٹھے تمہارا ایک، دوسرے کیلئے دشمن ہے، پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت،  
فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۖ ﴿۲۴﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ  
تو جس شخص نے پیروی کی میری ہدایت کی، سو نہ گمراہ ہوگا وہ اور نہ وہ مشقت میں پڑے گا اور جس نے اعراض کیا میری یاد سے تو بلاشبہ  
لَهُ مَعِيشَةٌ ضَنُكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى  
اس کیلئے گزران ہوگی تنگ اور ہم اٹھائیں گے اس دن قیامت کا اندھا (کر کے) وہ کہے گا، ہاے میرے رب! کیوں اٹھلایا ہے تو نے مجھے اندھا



وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَلِكَ

حالانکہ تھامیں (دنیا میں) دیکھنے والا؟ ○ اللہ کہے گا، اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس نشانیاں ہماری، پس بھول گیا تھا تو انہیں، اور اسی طرح

الْيَوْمَ تُنْسَى ﴿١٢٦﴾ وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ

آج کے دن بھلا دیا جائے گا تو بھی ○ اور اسی طرح سزا دیں گے ہم اس شخص کو جو حد سے بڑھ گیا اور نہ ایمان لایا وہ

بِأَيِّتِ رَبِّهِ طُولَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ﴿١٢٧﴾

آیتوں پر اپنے رب کی، اور البتہ عذاب آخرت کا زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ابلیس کو حکم دیا کہ وہ زمین پر اتر جائیں، آدم اور ان کی اولاد شیطان کو اپنا دشمن سمجھیں اور اس سے بچیں اس کا مقابلہ کرنے اور جنگ کے لئے تیار رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر کتابیں نازل کرے گا ان کی طرف رسول بھیجے گا جو ان کے سامنے صراط مستقیم کو واضح کریں گے جو ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت تک پہنچاتا ہے، نیز وہ ان کو ان کے دشمن سے متنبہ اور چوکنا کریں گے، لہذا ان کے پاس جس وقت بھی یہ ہدایت آ جائے..... یعنی کتاب اور انبیاء و مرسلین..... پس اگر کسی نے اس کتاب کی اتباع کی، ان امور پر عمل کیا جن کا اس نے حکم دیا اور ان امور سے اجتناب کیا جن سے اس نے منع کیا تو ایسا شخص دنیا میں گمراہ ہوگا نہ آخرت میں اور نہ وہ دنیا و آخرت میں تکلیف میں پڑے گا بلکہ دونوں جہاں میں ان کی سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کی جائے گی اور آخرت میں ان کو امن اور سعادت سے نوازا جائے گا۔ ایک اور آیت کریمہ میں وارد ہے کہ آخرت میں حزن و خوف ان سے دور رہے گا۔ ﴿مَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

(البقرة: ۳۸/۲) ”پس جس کسی نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کے لئے کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔“ اور ”ہدایت“ کی پیروی یہ ہے کہ رسول کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کی جائے، شبہات کے ذریعے سے اس کے ساتھ معارضہ نہ کیا جائے، اس کے حکم کی اس طرح تعمیل کی جائے کہ کسی قسم کی خواہش اس کی معارض نہ ہو۔

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي﴾ یعنی جس کسی نے میری کتاب کریم سے اعراض کیا جس سے تمام مطالب عالیہ حاصل کئے جاتے ہیں اور اس سے روگردانی کر کے اس کو چھوڑ دیا، یا اس کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر برا سلوک کیا، یعنی اس کا انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾ یعنی اس کی سزا یہ ہوگی کہ ہم اس کی معیشت کو تنگ اور نہایت پر مشقت بنادیں گے اور یہ معیشت اس کے لئے محض ایک عذاب ہوگی۔

”تنگ معیشت“ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے، یعنی اس کے لئے اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا وہ اس میں گھٹ کر رہ جائے گا اور اس کو عذاب دیا جائے گا یہ اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کی تھی۔ یہ ان آیات میں سے ایک آیت ہے جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں۔

دوسری آیت کریمہ یہ ہے۔ ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا

أَنْفُسَكُمْ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾ (الانعام: ۹۳/۶) ”کاش آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھیں جب یہ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔ (اور کہہ رہے ہوں گے) نکالو اپنی جان آج تمہیں انتہائی رسوا کن عذاب کی سزا دی جائے گی اس کا سبب یہ ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے اور تم اس کی آیتوں کے ساتھ تکبر کیا کرتے تھے۔“

تیسری آیت کریمہ یہ ہے۔ ﴿وَلَنْ يَنْفَعَهُمُ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (السجدہ: ۲۱/۳۲) ”ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب سے کمتر عذاب کا مزا بھی چکھائیں گے شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔“

چوتھی آیت کریمہ یہ ہے ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (المومن: ۴۶/۴۰) ”انہیں صبح وشام آگ کے عذاب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز کہا جائے گا کہ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔“ جو چیز سلف میں سے بعض مفسرین کے لئے اس آیت کریمہ کو عذاب قبر پر محمول کرنے اور صرف اسی پر اقتصار کرنے کی موجب بنی..... واللہ تعالیٰ اعلم..... وہ ہے آیت کریمہ کا آخر۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کے آخر میں قیامت کے عذاب کا ذکر کیا ہے۔

اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ”تنگ معیشت“ عام ہے یعنی اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کرنے والوں پر دنیا میں غم و ہوم اور مصائب و آلام کے جو پہاڑ ٹوٹتے ہیں وہ عذاب معجل ہے۔ برزخ میں بھی ان کو عذاب میں ڈالا جائے گا اور آخرت میں بھی عذاب میں داخل ہوں گے کیونکہ ”تنگ معیشت“ کو بغیر کسی قید کے مطلق طور پر بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَنَحْشُرُهُ﴾ اور اکٹھا کریں گے ہم اس کو۔“ یعنی اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے اس شخص کو ﴿يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمٰی﴾ قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے..... اور صحیح تفسیر یہی ہے..... جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمًىٰ وَبُكْمًا وَصَبًى﴾ (بنی اسرائیل: ۹۷/۱۷) ”اور قیامت کے روز ان لوگوں کو اندھے، گونگے اور بہرے ہونے کی حالت میں، اوندھے منہ اکٹھا کریں گے۔“ وہ نہایت ذلت، الم اور اس حالت پر تنگ دلی کے ساتھ کہے گا: ﴿رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾

”اے میرے رب! کس بنا پر میری یہ بری حالت ہے میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا؟“ ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ



اِیْتِنَا فَنَسِیْتَهَا ﴿۱﴾ ”اللہ کہے گا“ اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو تو نے ان کو بھلا دیا تھا۔“ یعنی تو نے روگردانی کے ذریعے سے ان کو فراموش کر دیا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنٰسٰی﴾ ”اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا۔“ یعنی تجھے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔ پس جواب دیا گیا کہ یہ بعینہ تیرا عمل ہے کیونکہ جزا عمل ہی کی جنس سے ہوتی ہے۔ جس طرح تو نے اپنے رب کے ذکر کے بارے میں اندھے پن کا مظاہرہ کر کے اس سے منہ موڑا اُسے فراموش کیا اور اس میں سے اپنے حصے کو بھول گیا“ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے آخرت میں اندھا کر دیا ہے تجھے اندھا بہرہ اور گونگا بنا کر جہنم کی طرف لے جایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جہنم میں جھونک کر تجھ سے منہ پھیر لیا۔

﴿وَكَذٰلِكَ﴾ یعنی یہ جزا ﴿نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ﴾ اس شخص کے لئے ہے جس نے حدود سے تجاوز کیا اور جن امور کی اجازت دی گئی ہے ان سے آگے بڑھ کر محرمات کا مرتکب ہوا ﴿وَلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ﴾ اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لایا جو تمام مطالب ایمان پر واضح طور پر اور صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر ہرگز ظلم نہیں کیا اور نہ غیر مستحق کو سزا دی ہے بلکہ اس کا سبب تو صرف اس کا اسراف اور عدم ایمان ہے۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ﴾ دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کئی گنا زیادہ سخت ہوگا۔ ﴿وَاَنْفٰی﴾ اور دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ دنیا کا عذاب تو کبھی نہ کبھی منقطع ہو جاتا ہے۔ پس آخرت کے عذاب سے ڈرنا اور اس سے بچنا واجب ہے۔

اَفَلَمْ یَهْدِیْ لَهُمْ كَمْ اٰهَلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ

کیا پس نہیں رہنمائی کی انکی (اس چیز نے) کہ کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے قومیں، کہ وہ لوگ چلتے ہیں انکے مکانات میں،

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ۝۳۸

بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اہل عقل کے لیے ۝

ان جھٹلانے والوں اور آیات الہی سے روگردانی کرنے والوں کو اس عذاب نے راہ ہدایت پر گامزن ہونے گمراہی اور فساد کی راہ سے اجتناب کرنے پر آمادہ نہیں کیا، جو گزشتہ قوموں اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے والی امتوں پر نازل ہوا؟ یہ ان کے واقعات کو خوب جانتے ہیں ان کے واقعات کو ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور ان قوموں کے مسکن اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مثلاً ہودؑ صالحؑ اور لوطؑ کی قوموں کے اجڑے ہوئے مسکن۔ انہوں نے جب ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور ہماری کتابوں سے روگردانی کی تو ہم نے ان پر دردناک عذاب نازل کر دیا۔

کس چیز نے ان کو بے خوف کیا ہے کہ جو عذاب ان قوموں پر نازل ہوا تھا ان پر نازل نہیں ہوگا؟

﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ اَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِی الزُّبُرِ ۝ اَمْ یَقُولُوْنَ نَحْنُ حَبِیْبٌ مُّتَنَصِّرٌ ﴿۱﴾ (القمر: ۴۳-۴۴)

”کیا تمہارے کفار ان گزرے ہوئے لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے (گزشتہ) کتابوں میں براءت لکھ دی گئی ہے یا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بڑے مضبوط ہیں۔“ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی ان پر صادق نہیں آتی۔ یہ کفار ان کافروں سے کسی لحاظ سے بھی بہتر نہیں کہ ان سے عذاب کو ٹال دیا جائے بلکہ یہ ان سے زیادہ شریر اور برے لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے افضل ترین رسول ﷺ اور بہترین کتاب کی تکذیب کی ہے اور نہ ان کے پاس کوئی تحریری براءت نامہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد نامہ ہے..... اور ایسا بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی قوم انہیں کوئی فائدہ دے گی اور ان سے عذاب کو دور کر دے گی؛ بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ یہ ان سے زیادہ ذلیل اور ان سے زیادہ حقیر ہیں۔

پس گزشتہ قوموں کو ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ہلاک کرنا ہدایت کے اسباب میں سے ہے کیونکہ یہ ان رسولوں کی رسالت کی جو ان کے پاس آئے صداقت کی اور ان قوموں کے موقف کے بطلان کی دلیل ہے۔ مگر ہر شخص آیات الہی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا صرف وہی لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کو عقل و دانش سے نوازا گیا ہے، یعنی عقل سلیم، فطرت مستقیم اور ذہن جو انسان کو ان امور سے روکتے ہیں جو اس کے لئے مناسب نہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاجِلٌ مُّسَمًّى ۖ فَاصْبِرْ ۖ

اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے (طے) ہو چکی ہے آپ کے رب کی طرف سے تو البتہ ہو جاتا (عذاب) چھٹنے والا، اور (اگر نہ ہوتی) یہ علامہ مقرر پس صبر کیجئے

عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ

اور ان باتوں کے جو وہ (کافر) کہتے ہیں، اور تسبیح کیجئے ساتھ حمد کے اپنے رب کی پہلے طلوع آفتاب سے اور پہلے اسکے غروب ہونے سے،

وَمِنْ أُنَائِي الْبَيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝۱۳۰

اور کچھ اوقات میں رات کے، پس تسبیح کیجئے، اور (دونوں) حصوں میں دن کے بھی، تاکہ آپ راضی ہو جائیں ○

یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی اور صبر کی ترغیب ہے کہ وہ ان جھٹلانے اور روگردانی کرنے والوں کے لئے جلدی ہلاکت کی خواہش نہ کریں۔ ان کا کفر اور تکذیب ان پر عذاب نازل ہونے کے لئے ایک معقول سبب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سزاؤں کے لئے سبب مقرر کیا ہے جو گناہوں سے جنم لیتا ہے اور ان لوگوں نے نزول عذاب کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں مگر جس چیز نے اس عذاب کو مؤخر کر رکھا ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم جو مہلت دینے اور وقت مقرر کرنے کو متضمن ہے۔ وقت کا مقرر ہونا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا نفاذ نزول عذاب کو اس وقت کے آنے تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے۔ شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کریں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے اور عذاب کو ان سے دور کر دے جب تک کہ اللہ کا کلمہ ان پر ثابت نہ ہو جائے۔

اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان کی قولی اذیتوں پر صبر کرے اور اس کے



مقابلے میں ان اوقات فاضلہ میں رب کی تسبیح و تحمید سے مدد لے..... یعنی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب دن کے کناروں پر یعنی اس کے اوائل اور اواخر میں..... یہ مخصوص کے بعد عموم کا ذکر ہے..... نیز رات کے اوقات اور اس کی گھڑیوں میں۔ اگر آپ ﷺ اس پر عمل پیرا ہوئے تو شاید آپ ﷺ اپنے رب کے عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب پر راضی ہو جائیں، آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو، اپنے رب کی عبادت سے آپ آنکھیں ٹھنڈی کریں اور ان کی اذیت رسانی پر اس عبادت کے ذریعے سے دل کو تسلی ہو تب آپ ﷺ کے لئے صبر بہت آسان ہو جائے گا۔

### وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ

اور نہ دراز کریں آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف کہ فائدہ دیا ہم نے ان کیساتھ کئی قسم کے لوگوں کو ان میں سے رونق کا زندگی

الدُّنْيَا لَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿۱۳﴾

دنیا کی، تاکہ ہم آزمائیں انہیں اس میں، اور رزق آپ کے رب کا بہت بہتر اور دیر پا ہے ۝

یعنی دنیا اور اس کی متاع مثلاً لذیذ ماکولات و مشروبات، ملبوسات فاخرہ آراستہ کئے ہوئے گھروں اور حسین و جمیل عورتوں سے حظ اٹھانے والوں کے احوال کو استحسان اور پسندیدگی کی نظر سے دوبارہ نہ دیکھیں، اس لیے کہ یہ سب کچھ دنیا کی خوبصورتی ہے اور اس سے صرف فریب خوردہ لوگ ہی خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے والوں کی نظریں ہی اسے پسندیدگی سے دیکھتی ہیں۔ آخرت سے قطع نظر کر کے صرف ظالم لوگ ہی اس سے متمتع ہوتے ہیں۔ پھر یہ دنیا سب کی سب تیزی سے گزر جاتی ہے اپنے چاہنے والوں اور عشاق کو بے موت مار دیتی ہے۔ پس دنیا سے محبت کرنے والے لوگ اس وقت نادم ہوں گے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تب انہیں اپنی بے مائیگی کا علم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تو اس دنیا کو فتنہ اور آزمائش بنایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون اس کے پاس ٹھہرتا اور اس کے فریب میں مبتلا ہوتا ہے اور کون اچھے عمل کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا﴾ (الکہف: ۷۱-۷۲) ”جو کچھ زمین پر موجود ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔ پھر جو کچھ اس زمین پر ہے ہم سب کو ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔“

﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ﴾ ”اور تیرے رب کا رزق“ دنیاوی رزق یعنی علم، ایمان اور اعمال صالحہ کے حقائق اخروی رزق یعنی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اور رب رحیم کے جوار رحمت میں سلامتی سے بھرپور زندگی۔ ﴿خَيْرٌ﴾ اپنی ذات و صفات میں اس زندگی سے بہتر ہے جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے ﴿وَأَبْقَىٰ﴾ ”اور پائدار

ہے“ کیونکہ اس کے پھل کبھی ختم نہ ہوں گے اور اس کے سائے دائمی ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ تُوْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ (الاعلیٰ: ۱۶۷-۱۶۸) ”مگر تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کی زندگی بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔“ اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جب دیکھے کہ اس کا نفس سرکشی اختیار کر کے دنیا کی زیب و زینت کی طرف مائل اور متوجہ ہے تو وہ اپنے رب کے اس رزق کو یاد کرے جو آئندہ زندگی میں اسے عطا ہونے والا ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان موازنہ کرے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا تَسْأَلْكَ رِزْقًا ۚ

اور حکم دیجئے اپنے گھر والوں کو نماز (پڑھنے) کا، اور (خود بھی) ثابت رہئے اس پر، نہیں سوال کرتے ہم آپ سے رزق کا،

نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ﴿۲۷﴾

ہم ہی رزق دیتے ہیں آپ کو، اور (بہترین) انجام تو تقویٰ (والوں) ہی کا ہے ○

اپنے گھر والوں کو نماز کی ترغیب دیجئے، انہیں فرض اور نفل نماز پڑھنے کا حکم دیتے رہیے اور کسی چیز کا حکم دینا ان تمام امور کو شامل ہے جن کے بغیر اس چیز کی تکمیل نہیں ہوتی۔ پس یہ حکم اپنے گھر والوں کو نماز کے بارے میں ان امور کی تعلیم دینا ہے جو نماز کی اصلاح کرتے ہیں جو نماز کو فاسد کرتے ہیں اور جو نماز کی تکمیل کرتے ہیں۔ ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ ”اور خود بھی اس پر جبرے رہیے۔“ یعنی نماز پر اس کی تمام حدود اس کے ارکان اس کے آداب اور اس کے خشوع و خضوع کے ساتھ۔ کیونکہ اس میں نفس کے لئے مشقت ہے۔ تاہم مناسب یہی ہے کہ دائمی طور پر نفس کو نماز پڑھنے پر مجبور اور اس کے ساتھ جہاد کرتے رہنا چاہیے اور اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ بندہ مومن جب اس طریقے سے نماز قائم کرتا ہے جس طریقے سے قائم کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے تو نماز کے علاوہ دیگر دین کی حفاظت کرنے اور اس کو قائم کرنے کی اس سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ نماز کو ضائع کرتا ہے تو دیگر دین کو زیادہ برے طریقے سے ضائع کرے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رزق کی ضمانت دی اور ترغیب دی کہ آپ اقامت دین کو چھوڑ کر حصول رزق میں مشغول نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ یعنی آپ کا رزق ہمارے ذمہ ہے ہم نے جس طرح تمام خلایق کے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لی ہے اسی طرح آپ کے رزق کی کفالت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس شخص کے رزق کی ذمہ داری ہم پر کیسے نہ ہو جو ہمارے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور ہمارے ذکر میں مشغول رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا رزق متقی اور غیر متقی سب کے لئے عام ہے اس لیے ان امور کا اہتمام کرنا چاہیے جن پر ابدی سعادت کا دار و مدار ہے، اور وہ ہے تقویٰ۔ لہذا فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ﴾ یعنی دنیا و آخرت کا انجام ﴿لِلتَّقْوٰی﴾

تقویٰ کے لئے ہے اور تقویٰ سے مراد ہے مامورات کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب۔ اور جو کوئی ان کو قائم کرتا



ہے انجام اسی کا اچھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (الاعراف: ۱۲۸/۷) ”اور اچھا انجام متقین کا ہے۔“

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۖ أَوْ لَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَّا  
اور انہوں نے کہا، کیوں نہیں لاتا وہ ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی طرف سے؟ کیا نہیں آئی ان کے پاس دلیل اس چیز کی جو کچھ

فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۚ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا  
پہلے صحیفوں میں ہے؟ اور اگر بیشک ہم ہلاک کر دیتے انکو ساتھ عذاب کے پہلے اس رسول سے تو البتہ کہتے وہ لوگ، اے ہمارے رب!

لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِّن قَبْلِ أَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزَى ۚ  
کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول پس ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی پہلے اس سے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے؟

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَن أَصْحَبُ  
آپ کہہ دیجئے! ہر ایک انتظار کرنے والا ہے سو تم بھی انتظار کرو، پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون ہیں حامل

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَى ۚ

راہ راست کے اور کس نے ہدایت کو اپنایا؟

رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے آپ سے کہتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ نشانی سے ان کی مراد معجزات ہیں۔ یہ بات ان کے اس قول کی مانند ہے: ﴿وَقَالُوا لَنُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۚ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن تَحْتِهَا عَيْنٌ ۚ وَنَحْنُ نَقُصِّرُ عَنْهُ يَوْمَ نَفْخُ الْفُخْرِ ۚ أَوْ تَسْقُطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا مِثْقَالًا ۚ أَوْ تَأْتِيَ بِلَهُةٍ مِّنَ السَّمَاءِ ۚ﴾ (بنی اسرائیل: ۹۰، ۹۱، ۹۲) ”انہوں نے کہا کہ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو زمین سے ہمارے لئے چشمہ جاری نہ کرے۔ یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اور تو اس باغ کے درمیان نہریں جاری کر دے یا تو آسمان کو..... جیسا کہ تو دعویٰ کرتا ہے..... ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے یا تو اللہ اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آئے۔“ یہ ان کی طرف سے محض تعنت، عناد اور ظلم ہے۔ کیونکہ رسول اور وہ خود محض بشر اور اللہ کے بندے ہیں۔ ان کا اپنی خواہشات کے مطابق معجزات کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی حکمت کے مطابق آیات و معجزات کا انتخاب کر کے نازل کرتا ہے۔

چونکہ ان کا قول ﴿لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ تقاضا کرتا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر کوئی نشانی اور آپ کے حق ہونے پر دلیل نازل نہیں ہوئی..... حالانکہ یہ جھوٹ اور بہتان ہے کیونکہ آپ بڑے بڑے معجزات اور ناقابل تردید دلائل لے کر آئے کہ ان میں سے کسی ایک کے ذریعے سے مقصود حاصل ہو سکتا ہے اس لئے فرمایا: ﴿أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ﴾ ”کیا ان کے پاس نہیں آئی۔“ اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں اور دلیل کے

ذریعے سے وہ حق کے متلاشی ہیں ﴿بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى﴾ ”وہ دلیل جو پہلے صحیفوں میں ہے؟“، یعنی یہ قرآن عظیم ان تمام باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو گزشتہ صحیفوں، یعنی تورات، انجیل اور دیگر کتابوں میں نازل ہوئی ہیں اور انہی امور کے بارے میں خبر دیتا ہے جن کے بارے میں ان گزشتہ کتابوں نے خبر دی ہے۔ ان گزشتہ کتب اور صحیفوں میں اس قرآن عظیم کی تصدیق بھی موجود ہے اور اس کو لانے والے رسول کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (العنکبوت: ۵۱/۲۹) ”کیا ان کے لئے یہی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب عظیم نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔“ آیات الہی اہل ایمان کو فائدہ دیتی ہیں ان کی تلاوت سے ان کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہوتا ہے لیکن آیات الہی سے اعراض کرنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان پر ایمان رکھتے ہیں نہ ان سے کوئی فائدہ ہی اٹھاتے ہیں۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَ ثَمَرُهُمْ كُلٌّ بِأَيْدِيهِمْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ (یونس: ۹۶/۱۰-۹۷) ”بلاشبہ وہ لوگ جن پر تیرے رب کا حکم قرار پا چکا ہے خواہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آجائے وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“

ان آیات کو ان کی طرف بھیجے اور ان کے ذریعے سے ان سے مخاطب ہونے کا پس ایک ہی فائدہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تاکہ جب ان پر دردناک عذاب نازل ہو تو ان کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے ﴿لَوْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ رَسُولًا قَدْ خَلَّىٰ مِنْ بَيْنِكَ وَمِنَ الْغُلَامِ﴾ ”کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول پس ہم تیری آیات کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے۔“ یعنی عقوبت کے ذریعے سے، لو تمہارے پاس میری آیات و براہین کے ساتھ میرا رسول آ گیا ہے اگر بات ایسے ہی ہے جیسے تم کہتے ہو تو اٹھو اس کی تصدیق کرو۔

اے محمد! (ﷺ) ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے ہیں ”اس کے بارے میں گردش زمانہ کا انتظار کرو“ ﴿قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ﴾ ”کہہ دیجئے! ہم میں سے ہر ایک منتظر ہے۔“ تم میری موت کا انتظار کرو میں تم پر عذاب الہی کے ٹوٹ پڑنے کا انتظار کرتا ہوں۔ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا أَحَدَى الْحُسَيْنَيْنِ﴾ (التوبة: ۵۲/۹) ”کہہ دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں بس دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو، یعنی کامیابی یا شہادت“ ﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَن يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِنَا أَوْ بِإِذْنِنَا﴾ (التوبة: ۵۲/۹) ”اور ہم اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیجے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں کوئی سزا دے۔“



﴿فَتَرَبَّصُوا فَمَا يَعْلَمُونَ مِنَ اصْحَابِ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ﴾ ”پس تم انتظار کرو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستے (یعنی صراطِ مستقیم) والے کون ہیں؟“ ﴿وَمَنِ اهْتَدَى﴾ ”اور کون ہدایت یافتہ ہے؟“ یعنی اپنے طرزِ عمل کے اعتبار سے، میں یا تم؟ کیونکہ اس راستے پر چلنے والا شخص ہی صاحبِ رشد و ہدایت، فوز و فلاح سے بہرہ ور اور نجات یافتہ ہے اور جو کوئی اس راستے سے منہ موڑتا ہے وہ خائب و خاسر اور عذاب کا مستحق ہے اور یہ حقیقت واضح طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں اور آپ کے دشمن اس کے برعکس راستوں پر چل رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

